دیوانے کا روزنامچہ

(نثری نظمیں)

شاہد زبیر

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم ٥

دیوانے کا روزنامچہ

(نثری نظمیں)

شاہد زبیر

دستک

دیوانے کا روزنامچہ ......

پبلیشرز	:	دستک پبلیکیشنز، گلگشت ملتان
ترتیب، آرائش	:	مریم
کمپوزنگ	:	مہر محمد شکیل (یونیق کمپوزنگ)
پرنٹرز	:	شاہکار سعیدی پرنٹنگ پریس ملتان
اشاعت	:	جنوری 2012ء
قیمت	:	150 روپے
رابطہ	:	شاہد زبیر

0323-8636111,061-6521019

69 نشیمن کالونی بوسن روڈ ملتان

دستک پبلی کیشنز گول باغ گلگشت ملتان

0302-7766622

dastakpublication@yahoo.com

انتساب

پروفیسر ڈاکٹر شمیم ترمذی

کے نام

دیوانے کا روزنامچہ ......

مصنف

نام : شاہد زبیر

پیدائش : 1947ء لاہور

تعلیم : ایم اے پنجاب یونیورسٹی لاہور

تعلیمی ادارے : ایمرسن کالج ملتان، ایف سی کالج لاہور

پنجاب یونیورسٹی لاہور

تخلیقات

..... کمال مطلوب	تحقیقی مضامین	.....	اپنائیت کا سفر	نثری نظمیں
..... آگہی	تحقیقی مضامین	.....	منسوخ نیند	نثری نظمیں
..... ترغیب	دینی مقالات	.....	سوچ میں بیٹھے رنگ	نثری نظمیں
..... حاجت مطلوب	مجموعہ وظائف	.....	کروسان	مختصر نظمیں
..... قرآنی پیشین گوئیاں	قرآن پاک سے	.....	سرخ موسم	نثری نظمیں
..... کیمیاء سعات	تلخیص	.....	کمہار کے برتن	نثری نظمیں
..... کشف المحجوب	تلخیص	.....	سات سطروں کی کہانیاں	نثری نظمیں
..... کیمیاء ہدایت	تصوف	.....	دیوانے کا روزنامچہ	نثری نظمیں
..... حکایات اولیاء	تاریخی ادب	.....	برف کی قاشیں	نثری نظمیں
..... گھاس پر لکھی کہانیاں	افسانے	.....	نمائندہ امریکی نظمیں	ترجمے

آنے والی کتابیں

..... مقالات (اردو ادب)	برف پر لکھی کہانیاں (افسانے)	..... سفرنامہ امریکہ
..... چڑی کہانیاں (نظمیں)	آیات تنبیہ (قران پاک سے)	..... ہائیکو نظمیں

شاہد زبیر ایک منفرد ادبی شخصیت

شاہد زبیر جدید اُردو نظم کے اہم شاعر ہیں۔ وہ تخلیقی اعتبار سے بہت توانا ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب تک ان کے درجن کے قریب نثری نظموں کے مجموعے شائع ہو چکے ہیں وہ جدید نظم کے نمائندہ شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ نئی شاعری کے اہم نقاد بھی ہیں۔ وہ ملتان کی ادبی مجلسوں کے فعال ممبر ہیں اور ادب کو پرکھنے کا اپنا ایک نظریہ بھی رکھتے ہیں۔ ادبی حلقوں میں وہ افسانہ نگار اور نظم کے شاعر کے طور پر جانے جاتے ہیں حالانکہ وہ ایک مذہبی سکالر بھی ہیں اس کے علاوہ سیاسی، سماجی شعور کے حاملِ خیال مفکر بھی۔ تاہم ان کی ناظم نگاری ہی ان کی شخصیت کا غالب حوالہ ہے۔

شاہد زبیر کی نظموں کے موضوعات اچھوتے ہیں۔ اختصار اور تاثیر بھی اپنی مثال آپ ہے۔ ان نظموں میں بے ساختہ سچائیاں موجود ہیں۔ آج کل سچا اور معیاری ادب اسے مانا جاتا ہے جس میں زندگی پر نظر اور الفاظ میں جیتی جاگتی زندگ کی مورتیاں بنائی گئی ہوں۔ ایسی بشارتیں شاعر سے ہی مل سکتی ہیں۔ شاہد زبیر کی نظموں میں یہ کیفیات موجود ہیں۔ معاشری استحصال بھی ان کا شاعری کا موضوع ہے کیونکہ اس جبر اور گھٹن نے عوام کے لبوں سے مسکان بھی چھین لی ہے اور بہت سارے لوگ اپنے گھروں میں مسافر بن گئے ہیں۔ شاہد زبیر نے قلم سے کچھ ایسی نظمیں بھی نکلی ہیں جن میں وہ محرومی کے احساس کی حدوں کو چھوتا ہے۔ شاہد زبیر نے اپنی شاعری میں

دیوانے کا روزنامچہ......

مشاہدے کے ذریعے فکر، خیال، احساس اور جذبوں کے نئے شعری نقش تراشے ہیں۔ ان کی شاعری کے سُروں میں دھرتی کے اُجڑنے کا سوز اور اُبھرتی ہوئی بے آواز لوریوں کی گنگناہٹ بھی ہے۔ شاہد زبیر کی شاعری میں سمندر کی لہریں بھی ہیں اور ساون کی بوندوں کی مسکراہٹ بھی ہے۔

ڈاکٹر مقبول گیلانی

دیوانے کاروزنامچہ

فہرست

دیوانے کا روزنامچہ.....

دیوانے کا روزنامچہ.....

دیوانے کا روزنامچہ

شاہد زبیرؔ

مہر کردے

جب سے تو مجھ پر آشکار ہوا ہے میری آنکھ تجھ کو دیکھ سکتی ہے
مجھے اپنے آپ سے نفرت ہے میں راکھ پر سر رکھ کر توبہ کا طلبگار ہوں
تو نے وعدہ کیا تھا کہ تیرے توبہ کے دروازے کھلے ہیں
تیرے قاعدے اور قول وقت کے ساتھ نہیں بدلتے تو پھر یہ شرط کیسی کہ
توبہ دنیا ہی میں قبول کی جائے گی۔
ہمارے گناہ تو تیری نافذ کردہ بلائیں تھیں جو ہم پر نازل کی گئیں
تو مہیب اور شوکت سے ملبس ہے
تیرے اٹھتے ہی زبردست لوگ، ڈر جاتے ہیں حواس باختہ ہو جاتے ہیں
تجھ پر اثر نہیں کرتے، لوہے کو تو بھوسا سمجھتا ہے اور پیتل تیرے کے نزدیک گلی لکڑی ہے
لاٹھیاں اور فلاخن تجھ پر تنکے ہیں، تو گہرائی کو دیگ کی طرح کھولاتا اور سمندر کو مرہم کی طرح بنا سکتا ہے
تیرا دل چکی کے نچلے پاٹ کی طرح پتھریلا اور مضبوط ہے
تیری طاقت گردن میں بستی ہے
تیرا سانس، کوئلوں کو دہکا دیتا ہے' مالک
ہم دنیا کے اندھیرے میں جا کر اپنی تقریروں کو درست نہیں کر سکتے
ہم تیری ہی ہدایت سے ادھر ادھر پھرائے جاتے تھے
جب زمین پر جنوبی ہوا سے سناٹا ہوتا تھا تو ہمارے کپڑے گرم ہو جاتے تھے
تو بتا اب، ہم تجھ سے کیا کہیں
آج ایک اور زمزمہ جاری کردے کہ ہم اپنے گناہوں کو دھولیں
ہمارے ہر آدمی کے ہاتھ پر، جو تیرا آدمی ہے، مہر کردے

میر تقی میر

میر ایسا بے تاب ہے جواب
بول نہیں سکتا
وہ قدیم زمانے کے برسوں پر
سوچتا ہے،
اس کی روح تفتیش میں جڑی رہتی ہے
اس کی صدا ابد تک باطل ہو چکی
ہم اس پر کرم کرنا بھول گئے ہیں
ہماری جانوں کو تسکین ہے
اس کی بے چینیوں کا واویلا اب کوئی نہیں کرتا
وہ برسوں سے ہماری طرف
کان لگائے بیٹھا ہے
میں اس کے کلاموں کا ذکر کروں تو
لوگوں کو قدیم عجائبات یاد آتے ہیں
اس کی صنعتوں پر دھیان دوں تو انہیں
کوئی دیوتا دکھائی نہیں دیتا
اس نے بھلے زمانے میں اپنی قدرت ظاہر کی
اب لوگ اس کے سمندر کو دیکھ کر ڈرتے ہیں
اس کی گہرائیوں سے کانپ اٹھتے ہیں
اس کے بگولوں میں رعد کی آوازیں ہیں
اس کی برق نے جہان کو روشن کر دیا تھا
اس کا راستہ بڑے سمندروں میں تھا
وہ چاہتا ہے کہ کوئی اس کی قدرت کے زمانے کو یاد کرے
مگر ہم نے
اس کے دیوان کو، عجائب گھروں میں رکھ دیا ہے

صدقہ

نیند کی خشک پرتیں جھڑتی جاتی ہیں
سیاہ بادلوں سے اترتے قطرے
نڈھال ہو کر زمین چاٹنے پر مجبور ہیں،
سیلاب میں بہہ جانے والے فقیر کا کچھ سامان
درخت پر ٹنگا رہ گیا ہے
جب تم پر بھی صدقہ واجب ہو جائے
کچا گوشت، وار کر چھت پر پھینک دینا،
پانی کے دھارے پر سوار ہو کر
ایک نیک لڑکی، یار کے ساتھ بھاگ گئی ہے

تائب

تائب ہونے کے بعد اب میں نے
پائی پائی جوڑنے کی ٹھان لی ہے
حرام کی کمائی پر، پرورش کے لیئے
میں نے بہت سے مخلص دوست پال رکھے تھے
اس سے پہلے میں ایک ادھیڑ عمر کا خبیث سا شخص تھا
بچائی گئی رقم سے میں کوئی نیک کام انجام دوں گا
میں نے درویشی کی عملی مشقیات بھی شروع کر دی ہیں
ایک صوفی حضرت صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے
اپنی بچت کا ایک خاص حصہ، ان کی نذر کرتا ہوں،
اب میرے ہاں کوئی نہیں آتا کہ خوشبو کا انتظام نہیں ہوتا،
جب تک دل کا دورہ نہ پڑے، کوئی تائب نہیں ہوتا

ٹشو پیپر

میں اپنے ہی گھر میں گم ہو گیا ہوں
میرے سیدھے سادھے کمرے،
بھول بھلیوں میں تبدیل ہو گئے ہیں
یہاں کے مکین، دیواریں سیدھی رکھنے کی بجائے
میرے پاؤں میں بچھی دریاں گھسیٹ کر
مجھے دیوار سے لگائے رکھتے ہیں
میری زندگی کی کمزوریاں رنگ لے آئی ہیں،
جنہیں میں، بڑھاپے کی بیساکھیاں جانتا تھا
کسی دیرینہ ہمدم نے چھین کر
مجھے تنہا کر دیا ہے،
مجھے لگتا ہے، میری حیثیت ٹشو پیپر سے بڑھ کر نہیں

چاہو تو انکار کردو

دیکھو تمہیں ایک اندیکھے خدا کی پرستش کرنی ہے
تمہیں ساری الہامی کتابوں پر بھی یقین رکھنا ہے
جو رسول دنیا میں بھیجے گئے ان کو سچا ماننا ہے
تمہیں آخر کار، حساب کے ان دیکھے دن کو پیش ہونا ہے
نظر نہ آنے والے فرشتوں پر بھی تمہارا اعتقاد ضروری ہے
یہاں روحیں بھی ہیں جن سے تمہاری ملاقات نہیں ہوگی
یہ سب کچھ تمہاری تقدیر سے مشروط ہے، یہ بھی سمجھ لو،
اس دیکھی ہوئی دنیا میں تمہیں ساری عمر محبت کرنی ہے
ان دیکھی دنیا کے لئے

چاہو تو ایمان لاؤ، چاہو تو انکار کردو

شکریہ

ملینیم روڈ پر
ایک آئی پیڈ سٹور کے باہر
فٹ پاتھ پر بیٹھے ہوئے
میں آتی جاتی لڑکیوں کو دیکھ رہا تھا
میری چوری تین بار پکڑی گئی
خوبصورت لڑکیوں نے میرے توصیفی کلمات
میری آنکھوں کی چمک میں پڑھ لیئے
اس عمر میں میرے دیکھنے کے انداز نے
تعریف کے پل باندھ دیئے تھے
تینوں نے وقفے وقفے سے مسکرا کر
مجھے ہیلو کہا سر کو جھکا کر، میری تعریف کا
شکریہ ادا کیا

ساٹھ سال

سب کی آنکھوں میں وقت کی دھول ٹھہر گئی ہے
تم جتنی چھریاں لائے ہو، سب میرے سینے میں گھونپ دو مگر
یہ آگ کے ''بھانبھڑ'' مجھ سے دور کردو
اندھی آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں پر پہچان ضرور سکتی ہیں
نصیب کے گلے پر چھری پھیری جاسکتی ہے
تھپڑ کا منہ توڑا نہیں جاسکتا
تمہارا اعتراف پتہ نہیں کس کس کے سر میں مٹی ڈالے گا
رہنے دو، ہوا ہلکی ہو کر خود ہی اوپر اٹھ جائے گی
چلو زیبرا کی لکیریں مٹاتے ہیں، جھوٹ کو سچ کر دکھاتے ہیں،
بادلوں میں پہاڑ کی ایک چوٹی سکرین پر نظر آرہی ہے
چندی گڑھ سے ساٹھ سال سے کوئی نہیں آیا۔ وہ تو وہیں رہ گئی تھی

دفاع

میری منشا کے بغیر
چاک پر گھومتے ہوئے،
میرے زنگ، آلود بدن پر
ملامت کا لباس پہنا دیا گیا
میں اپنی ضعیفی میں
اپنا دفاع کس طرح کرتا
منصف نے تو ہاتھ میں
زرد میزان تھام رکھی تھی
اس پر حکم تھا کہ
ہونٹوں پر تالا لگا رہے
اڈتی تھکن کے ساتھ
لجلجے خون کی ڈھیری
اپنا دفاع کیسے کرتی۔

سوکھی جگہ

اس نے اشد ضروری والے کاغذ سے بتی بنائی اور کان کھجلانا شروع کر دیا
کچھ لوگ اس کی ماں، بہن کرنے میں لگے ہیں، وہ سرگوشیوں میں اعتقاد نہیں رکھتے
ان کے ہاتھ میں آنکھ مٹکانے اور فقرے اچھالنے کا ہنر ہے، وہ
پھُس پھُس والی ہنسی کی بجائے آواز والی ہنسی اختیار کرتے ہیں
اس نے سوچا تھا وہ آدھ فیصد جو اسے پری آڈٹ کرنے پر ملتا ہے، اس زبان سے کہیں اچھا ہے
ایسے لوگوں میں شامل رہنا، جنہیں سوکھی جگہ پر رکھا گیا ہوا، ان کی زبان سہنا، بہتر ہے

خندقوں کی ضرورت

جو پھول ہم نے اگائے تھے ان کی پتیوں کا زہر

ہماری کھال کو جلد جھلسا دے گا

ہم نے اپنے ساتھیوں کی میتیں، جنہیں ہم نے شہید کیا،

اپنے دشمن کی زمین پر چھوڑ دی تھیں اور انہیں واپس لینے سے انکاری رہے

جب پاؤں سے زمین سرکتی ہے تو تاریخ جوان ہوتی ہے

ہمارے شہروں اور بستیوں میں معصوم عورتوں، بچوں اور شہیدوں کو قتل کر دیا جاتا ہے

یہ سب کے سب حساب لینے کو تیار بیٹھے ہیں

خوش گمانیاں، ذہنی بیماریاں ہیں

باجا بجانے کا گناہ کرنے والے، چھٹکارا کیسے پا سکتے ہیں

ہر زاویے سے موسم دراڑیں ڈالتا نظر آتا ہے

زمین کی انگڑائیاں روز بروز بڑھ رہی ہیں

آسمان پر بارود کے بادل منڈلاتے پھرتے ہیں

کچھ نئے کتبے ایجاد ہونے کو ہیں، کب تک ہم سنگ مرمر کو پوجتے رہیں گے

روغنی ٹائیلیں اور پھولدار نقش 'آہ' کے ساتھ برسوں سے جڑے ہیں

اس بار خندقوں کی ضرورت پڑنے والی ہے

ہمرقاب

درخت سے لٹکتی، سات چمگادڑیں،
مجھے الٹا چلتا دیکھ کر بہت خوش ہوئیں
دودھ پیتے بچے کی تلاش کی جلدی میں
میں ان سے ہاتھ ملا کر آگے بڑھ گیا
کتاب کے ورق الٹتے، زمانے بدلتے رہے
میں تاریخ کا طالب علم کبھی نہیں رہا
میری ریسرچ چڑیلوں اور بھوتوں تک محدود ہے، ان میں
آدمی سب سے زیادہ خطرناک موکل ہے
شیطان اس سے پناہ مانگتا ہے، اس نے اسے
گستاخی اور بے ادبی کے کئی گر سکھائے ہیں
جتنا جھوٹ اور خود ساختہ علم انسانوں کی کتابوں میں بھرا ہے
کیا شیطان اس کا مقابلہ کرسکتا ہے / نہیں کرسکتا ہے
یہ سارے جھوٹ شیطان نے نہیں لکھے وہ تو بھلا آدمی ہے
موقع بہ موقع آگاہ کردیتا ہے کہ جھوٹ کیا ہے
اس نے اظہار نفرت میں کئی بار آدمی کے منہ میں پیشاب کیا ہے
ہم نے اپنے رقیبوں اور رجواڑوں پر شیطان مقرر کر رکھے ہیں
لیکن کبھی ان کا ذکر خیر نہیں کرتے
شیطان کی وفاداری کی کوئی مثال نہیں، وہ ہر وقت
ہماری حفاظت کے لیئے ہمارے ساتھ ہمرقاب ہے

میں اپنے غضب کو بھڑکنے نہیں دیتا

مجھے تمہارے منہ کا
زنگ آلود پانی پینا ہے
میں اپنے غضب کو بھڑکنے نہیں دیتا

تم ان کے دریا کو خون آلود کرتے ہو
جنہوں نے مینڈکوں کو تباہ کر کے
ان پر مچھروں کے غول بھیجے تھے

انہوں نے تمہارے پہلوٹوں کے
پہلے پھل کو مار ڈالا
اور باقیوں کو گلہ کی مانند ہانک کر لے گئے

ہم دھوکا دینے والی کمانوں کی طرح
ایک جانب جھک گئے ہیں
ہماری کھودی ہوئی مورتیاں، گنگ ہیں
لوگوں کو تلوار کے حوالے کر دیا گیا ہے
ان کی بیوائیں اور کنواریاں،
اب نوحہ نہیں کرتیں،

میں اپنے غضب کو بھڑکنے نہیں دیتا

لیکچر

میرے بستر پر ایک فاحشہ نے قبضہ کر لیا ہے، جو شام گئے تک میرا انتظار کرتی ہے
میں نے بیس برس کی عمر میں سلطنت شروع کرنی، شروع کر دی تھی
اقتدار کے پہلے برس میں نے، گھر کے بند دروازوں کو کھول ڈالا
بہت سے لادیوں کو مشرقی میدان میں اکٹھا کیا اور کہا کہ
پاک کر دیں، ان میں سے سب کچھ جو میرے باپ دادا نے کمایا تھا
میں نے محبت کی نئی شاخیں لگائیں اور عشرت کے معیار بدل ڈالے
سگریٹ پیتے مر جانے والے کا منہ توڑ دینا چاہیے
نئے قانون کے تحت رنڈیاں بھرتی کرنے کی اجازت ہے
ہنر کو پوشیدہ رکھنے کی ضرورت نہیں یہ تو صدقہ جاریہ ہے، اس کے لیے
ویڈیو بہت عمدہ ذریعہ ہے، کسی بھی تشہیر کے لیے، محض تبلیغ کافی نہیں
تصویر عملی طریقوں سے تعلیم میں اچھا کردار ادا کرتی ہے
میرے خیال میں پرانے اطوار کی عورتوں کو در گور کرنے کی ضرورت ہے
تعلیم و تربیت کی اکیڈمیاں، بہترین رول ادا کر رہی ہیں
پروفیسر اپنے کمروں میں، سیشنل مارکس لگاتے ہیں
میں نے عیش کو عام آدمی کی دسترس میں دے دیا ہے
ساری کنجریاں ہر شہر کے گل برگ میں پہنچا دی گئی ہیں
عنقریب یہاں فاصلاتی تعلیم کا نظام کیا جائے گا جہاں
میرے بستر پر قابض فاحشہ، لیکچر دے گی

شریک سفر

جو لڑکی مجھے ملی ہی نہیں، اسے بھلا دینا چاہیئے
جو خواب دیکھا ہی نہیں، اس کی تعبیر کو کیا کریں
پتھروں پر چلنے والے، دلدل پر تیر نہیں سکتے

درخت جو جنگل میں کاٹ کر پھینک دیا گیا
اس کی لکڑی فرنیچر بنانے کے کام نہیں آئی
زمین کی کوکھ میں سانپوں کے بسیرے ہیں

میں نے اپنی نیند رومال میں لپیٹ کر رکھ لی ہے
میرا پیٹ جا کر میری پشت سے مل گیا ہے
لڑکیاں مجھے اب سمارٹ کہتی ہیں
نہ بھانے والی لڑکیاں کسی کام کی نہیں ہوتیں
میں کہیں سے ایک لونڈی ڈھونڈ پاتا تو ضرور رکھتا
متعہ کی خواہش میں، میں نے بہت سے سفر کیے ہیں
حسین بیویاں، دوسروں کی ہوں تو بہت پسند آتی ہیں،
اگر تمہاری آنکھیں گر جائیں تو اٹھا کر جیب میں رکھ لینا
کٹی انگلیوں کی موجودگی انہیں رونے نہیں دے گی
باہر نکلنا ضروری ہو تو حفاظت کی خاطر،
کان میں سیسہ بھر لینا
واپسی کے سفر میں کوئی دوست شریک نہیں ہوگا

چالان

سانسوں میں تھوڑی حرارت رکھنے والوں کو

اس سے باہر نکلنے کے لیئے بڑی دیر لگے گی

ہمارے سامنے جو خون ہوا ہم اس کے گواہ نہیں ہیں

پرانے رشتوں کی چادریں پھاڑ کر ہم نے صافیاں بنالیں

جلد مرنے والوں کو چھوڑ کر لوگ آگے بڑھ جاتے ہیں

ماتھے کی شکنیں اور ہاتھ کی لکیریں ہر کوئی نہیں پڑھ سکتا

ٹریفک وارڈن کی جیب پر اس کے نام کی تختی غائب تھی

دنیا سے رخصتی کا ٹکٹ تھما کر اس نے، بڑے افسر

جس کی شکل خدا سے مشابہہ تھی' کے دفتر پیش ہونے کی ہدایت دیدی

جب میں اس کے پاس اپنی زندگی کے لائسنس کی واپسی کے لیے پیش ہوا

اس نے کہا، تمہارا جرم نا قابل جرمانہ ہے اس لیئے

فیصلہ کیا گیا ہے کہ باقی کی آدھی زندگی تم

دوزخ میں لوگوں کو پانی پلانے پر مامور رہو گے

اگر تمہاری ضمانت منظور کر لی گئی تو تمہیں

ٹریفک اژدھام میں دوبارہ چھوڑ دیا جائے گا

میکی ماؤس

میرے چہرے کے پیچھے ایک اور چہرہ چھپا ہے
جس کی بازگشت مجھے ہمیشہ سنائی دیتی ہے
اب تو اس نے باقاعدہ بھونکنا شروع کر دیا ہے
میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ آئندہ کسی سفر کے دوران
میں اس ساٹھ سالہ مکی ماؤس ماسک کو کسی گڑھے میں پھینک دوں گا
میں نے بہت سے ناپاک منصوبے بنائے، دنیا کو توڑنا مروڑنا چاہا لیکن اب
بغاوت ہو رہی ہے، یہ میری دسترس سے باہر ہوتا جا رہا ہے
یہ ہر وقت چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں، جنگجو خیالات کے پھیلاؤ میں مگن رہتا ہے اور میں اسے ہمیشہ
غیر جانبدار سمجھ کر، کبھی شرمندہ نہیں ہوا
میں سمجھتا ہوں کہ معاملہ اب سنگین ہو چکا ہے، یہ خود بھی اب تائیدی بیان دینے کے لیے بے چین ہے
خفیہ ذرائع اس پر عجیب و غریب الزامات عائد کرتے ہیں۔ ان کی باتیں سن سن کر میرا دماغ مفلوج ہو گیا ہے
ان ہنگامی حالات میں، اس سے پہلے کہ وہ کسی مکروہ کام میں پکڑا جائے یا بیان بدل ڈالے
اس سے چھٹکارا پا لینا ہی عقلمندی ہے

خدا ہمارے ساتھ ہے

موت کے بعد بھی زندگی ایسی ہی ہے
جیسی ہم یہاں بسر کر رہے ہیں
وہاں بھی خوبصورت لڑکی ہونا اچھا ہے
بس یہ لڑکیاں، لوہے کی تتلیاں ہیں جو
پتھروں کی چٹانوں کو دانتوں سے توڑ سکتی ہیں
ان کی کشتیوں کو چاندنی سے بھرنے کے لیے
دو تہائی حصے سے پانی لانا پڑے گا
ہم کچھ نہیں کر سکتے مگر صرف یہ جانتے ہیں
خدا ہمارے ساتھ ہے

شدت کی بارش

میں اپنے سرداروں اور حاکموں کے ساتھ، بدکاری میں بہت بڑھ گیا تھا، آخر

میری نسل خلط ملط ہوگئی ہے

ادراک ہوتے ہی میں نے اپنی چادر کو چاک کیا، سر اور داڑھی کے بال نوچ ڈالے

اب میں حیران اور پریشان بیٹھا ہوں

میرا پیرہن اور پھٹی چادر میری شرمندگی کی منہ بولتی تصویر ہے

اقبال مندی کی کوئی صورت باقی نہیں بچی

دوستوں نے میرا سامان میری بیوی بچے، سب پر قبضہ کرلیا ہے

شدت کی بارش میں کوئی سوکھا کیسے کھڑا رہ سکتا ہے

ہاتھوں سے باندھی گرہیں، دانتوں سے کھولنی پڑتی ہیں

رنڈی

ہمارے شہر میں دو تین آبادیاں

رنڈیوں، ویشاؤں سے آباد ہیں،

میں وہاں کبھی نہیں گیا لیکن

میرا ان سے افسانوی رابطہ بہت گہرا ہے

ایک روز میں نے اپنے اندر کی رنڈی سے پوچھا

تم نے یہ کاروبار کیوں سجایا ہے کیا تمہارا کوئی شجرہ نہیں

کہنے لگی، میں تمہاری بہن ہوں، آ جاؤ

ہماری مباشرت، نسل کی پہلی پیڑھی سے جائز ہے

شادی

جس لڑکی کی کل منگنی ہے آج کسی کے ساتھ گھومتی پائی گئی ہے

سگریٹ پینے والی لڑکیوں کو تھوڑی اور آزادی کی ضرورت ہے

تحریک آزادی نسواں کی صدر، پرسوں غیرملکی دورے کے بعد یہاں پہنچی تھی

شاعری سے نفرت کرنے والی نے بیٹے کا سہرا شوہر سے لکھوایا تھا

شیطان کے توسط سے دی جانے والی درخواست منظور کرلی گئی ہے

ساٹھ سال والی ساری عورتیں' چڑیلیں نہیں ہوتیں، البتہ

چھوٹی عمر کی چڑیلوں کی طرف مردوں کا رجحان زیادہ ہے

گھڑی ہوئی کہانیوں کو کسی رسالے میں چھپنا چاہیئے

بھلی عورتیں کسی کا پتہ پہننے سے پہلے' آخری دم تک گھر سے بھاگ جانا چاہتی ہیں

سارا کے ہونے والے شوہر کو آخری نوٹس موصول ہوگیا ہے

پرانی خط و کتابت کے کچھ اصول آج بھی زندہ ہیں

دمدار ستارے میں کیا خوبی ہے، دم تو کسی بھی ستارے کی ہوسکتی ہے

ستارا کبھی شوہر نہیں بن سکتا، اس کے لئے چاند لانا پڑتا ہے

جس لڑکی کی کل منگنی ہے، آج کسی کے ساتھ گھومتی پائی گئی تھی

حادثوں کا شکار

اس کی خاکساری سے پہلے کی سب خطائیں اور اس کی بے ایمانی کی وہ ساری جگہیں
جہاں اس نے اونچا مقام بنا کر مورتیاں کھڑی کر دیں، اب معاف کر دی گئی ہیں
وہ اپنے باپ دادا سے ہٹ کر اس قبرستان میں دفن کر دیا گیا جہاں وہ کبھی بادشاہ رہا تھا
وہ کارندے جو اس کے گھر کی نگرانی کرتے تھے، لگتا تھا، خدا کے گھر میں کام کرتے ہیں
اب لوگ اس کے مزار پر کبھی فاتحہ کو نہیں جاتے نہ ہی اس کے کارندے
اس کے آخری گھر کی مرمت کرتے ہیں۔
اس کے معماروں اور بڑھیوں کو کوئی گھڑے ہوئے پتھر اور
جوڑوں کے لیے لکڑی خریدنے کو ہدیہ نہیں دیتا
ایسے تمام لوگ جو دیانت سے کام کرتے تھے، اس کے لیے کوئی شہتیر نہیں بنایا،
وہ سب تو باجوں میں ماہر بار برداروں کے داروغہ تھے
قبر میں اسے جو گھر ملا ہے اس کا کرایہ اس کی پنشن سے کٹ جاتا ہے
اب کوئی زیرک سائنسدان ہی اسے دوبارہ ایجاد کر سکتا ہے
زندہ دفن ہونے کی وجہ سے ساتھ والی قبر کا مکین
اس کے سوئم پر کوئی سوٹ ضرور گفٹ کرتا مگر
اسے انسانوں کے بیچ دفنایا ہی نہیں گیا،
اس بات کے لیے صرف قیمتی زمین کا انتخاب کیا گیا
اس کے رخصت ہوتے ہی صوفیا کے ایک گروہ کا باب ختم ہوا
افسوس تو یہ ہے کہ وہ ہم سب سے چار جماعتیں زیادہ پڑھا تھا مگر
ہر زندگی کا ایک تیسرا اور چوتھا پہر ہوتا ہے جس کے دوران غیر مرئی قوتیں
اپاہج کر دی جاتی ہیں، حادثوں کا شکار کر دی جاتی ہیں

ملبہ

آسمان پر اڑنے والے کووں، چیلوں گدھوں کے ساتھ
میں نے کئی بار
اپنے مسکن سے نکل کر، پٹیاں لپیٹے،
بے ثمر سفر طے کئے ہیں
گنبد میں لیٹا آدمی سو نہیں رہا ہوتا
بتی کے بند ہوتے ہی، دوسری کتاب کھل جاتی ہے،
تین سو ساٹھ ہوں یا صرف ایک'
کسی نے میرے عمل کی تعریف نہیں کی
صلیب پر لٹکے ہوئے آدمی کے بھی دو چہرے ہیں
کھنکتی مٹی کا آدمی، دوبارہ مٹی پر پھینک دیا گیا ہے
ساری زندگی خوشامد کرنے کے باوجود میں نہیں جانتا
میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے کم ظرفی کی انتہا دیکھو،
میری ناتوانی کے سبب کچھ کتے میرے سامنے
دھری چنگیر سے میرا رزق اٹھا کر لے گئے ہیں
محبت جسے تم دائمی کہتے ہو، عارضی وقفہ ہے،
فقط ایک زہر ہے عملی ایڈز کی ڈرائنگ ہے
نیک و بد ساعتیں، پنڈتوں کی پوتھیاں،
خوش خبریوں کی تلاش ہیں
جو اچانک دھوکہ دے کر حملہ آور ہوتی ہیں
ساری زندگی کا حاصل ایک ملبہ ہے

دیوانے کا روزنامچہ

مردہ روحوں نے یروشلم کا مقدس سفر کیا،
لیکن اس مذہبی سفر کا انجام
مسافروں کے تصورات سے الگ تھا۔
ساری روحوں نے ایک روسی پادری کے ہاتھ پر بیعت کر لی،
اس کا حکم تھا کہ وہ اپنی تحریریں ضائع کر دیں
کیونکہ ان میں گناہ گاری کی بدبو آتی ہے
ہر شخص ایک حقیر اور لایعنی مشقت میں ڈوبا ہے
اس کے گرد ایک بے معنی زندگی
منافقانہ جوش سے گھومتی ہے
اس کا روزنامچہ ایک دیوانے کی روداد ہے
بدوضع اور بے ڈھنگے نقوش کے بونے،
نالاں رہ کر، ڈھیٹ پنے سے زندہ رہتے ہیں
روحوں نے بڑی ہزیمت اٹھائی ہے،
اب بھی ان کے سروں پر کھردری گھاس اگی ہے
ان کے لباس مضحکہ خیز حد تک میلے اور پھٹے ہوئے ہیں
تم بھی اٹھو اور اس لباس خلقت کو
چیتھڑوں میں بدل ڈالو تا کہ تم سب کو
چھکڑے پر ڈال کر چین کے پاگل خانے بھیج دیا جائے۔

ساحلوں پر پہاڑوں کی یاد

سورج کے غروب ہوتے ہی میرے اندر کا جوار بھاٹا،
سمندر کی طرح زیادہ زور سے، ساحلوں سے ٹکرانا شروع کر دیتا ہے
تب میں ادھر ادھر سہاروں کی تلاش میں،
دوستوں کی گٹھڑیاں دیکھتا ہوں جو مجھے
چھوڑ کر فرار ہو گئے ہیں،
اڑتے پرندے اپنے پروں سمیت،
سورج کی نارنجی روشنی میں ڈوب گئے ہیں
ساحلوں پر سرگوشیوں کی بھنبھناہٹ اڑ اڑ کر میری سماعتوں کو زخمی کرتی ہے
دور کہیں سے اپنے دیس کی صدائیں سنائی دیتی ہیں
ناچار میں اپنے کف کو منہ میں لے کر بٹن کاٹنے کی کوشش کرتا ہوں
مجھے اپنے ہوٹلوں کی غلیظ کرسیاں یاد آتی ہیں،
بستروں پر لگے تیل بھرے تکیے دکھائی دیتے ہیں
مجھے وہ لاشیں یاد آتی ہیں جن سے گھبرا کر میں نے
ساحلوں، سمندروں کا رخ کر لیا تھا، ہر روز مجھے لگتا ہے
سمندر مجھے دھیمے سروں میں میرے وطن کا کوئی گیت سنائے گا
اگرچہ میں نے اپنے تعاقب میں ایک شانت شہر میں پناہ لے لی ہے
روشنی جہاں مجھے بانہوں میں بھر کر پھرتی ہے
مجھے لگتا ہے، میں اس دنیا میں آزاد ہوں پھر بھی کبھی کبھار مجھے
راتوں میں قبریں دکھائی پڑتی ہیں تو میں ساحلوں کا رخ کرتا ہوں
پہاڑوں کو یاد کرتا ہوں

میں بھی گیند کیچ کر سکتا ہوں

میری آنکھیں اندر دھنس گئی تھیں میں نے نکال کر پھینک دیں
اب میں نے اندھوں کی ٹیم جوائن کر لی ہے
میں دیکھ سکتا ہوں کہ ابارشن نہ کرانے والی لڑکی کا دوست بھاگ گیا ہے
اس نے اپنی منطق پھیلانے کے لیے
بیوقوفی کی دلیل لانے والے کو وکیل مقرر کر لیا ہے
میں نے اپنی ذہانت سے جان لیا تھا کہ وہ مجھے دیکھ نہیں سکتا،
ٹی وی پر چلنے والی فلم کے ہجوم میں کسی نے مجھے پہچانا ہی نہیں
اندر کی چیز کوئی دیکھ بھی کیسے سکتا ہے یہ رابطہ تو زندگی سے منقطع ہے
آنے والوں کے لیے دروازے اگلے روز کھولے جاتے ہیں
میں نے تمہیں کل ہی تو زندہ دیکھا تھا جو میرے پاس پڑی تھیں
وہ تمہاری چوڑیاں تھیں
جو کبھی رویا ہی نہیں اس کو چپ کرانا کیسا، سمندر کی اکلوتی خوشی جھاگ بنانا ہے
میں نے اس کے جاگنے سے سونے تک کے سفر کی کئی کہانیاں لکھی ہیں۔
ان کہانیوں کو دفن کرنے کے لیے نرم زمین لانی پڑے گی یا پھر
کہانیاں کہنے والے عمرو عیار کو ٹھکانے لگانا ہوگا۔
بینائی واپس لانے کے لیے، جنوں کے کچھ بچے، ان کے گھونسلوں سے چُرا کر
ان کی پرورش کرنی ہوگی ہمسائے کا لڑکا، ہوا میں معلق کھڑا ہے
کُتا منہ سے گیند کیچ کر سکتا ہے، مردہ اپنے گھر سے کسی نہ کسی کو ساتھ لے جاتا ہے
بارش کی ہلکی پھوار میں، اس لڑکی کو بھول کر، سگریٹ سلگا لینا چاہیے
میں بھی گیند کیچ کر سکتا ہوں

ڈرائیونگ سیٹ

میں نے اپنی ہتھیلی کی لکیروں کو اپنے جسم پر پھیلا کر
ان پر ٹریفک چھوڑ دی ہے
یہاں کی بسیں، موٹریں اور ٹرینیں
کبھی پہاڑوں پر چڑھ جاتی ہیں اور کہیں
ڈھلانوں پر بے قابو لڑھکتی چلی جاتی ہیں۔
یہ بھی ممکن تھا کہ میں نے ان پر دخانی جہاز چلائے ہوتے یا پھر
ہوائی سفر پر انحصار کیا ہوتا،
لیکن سفر کے لیے تو سارے ذرائع استعمال کرنے پڑتے ہیں
ایک بار لکیروں کو ہاتھ سے اتار دیا جائے تو
ان کا رابطہ جسم سے منقطع ہو جاتا ہے
پھر ذرائع آمد ورفت اختیار کرنے کا اختیار تو کھو جاتا ہے،
لکیریں تو آزاد پیدا ہوئی تھیں،
جب میں نے بوتل کھول کر انہیں آزاد کر دیا تو پھر
میرا اختیار چہ معنی دارد؟
جب لکیریں میرے ہاتھ دی گئیں تو مجھے اختیار تھا کہ میں کسی بھی پیکیج
کو چن لوں، آپ جانتے ہیں کہ
پیکیج میں کچھ اچھائیاں اور کچھ کمزوریاں ہوتی ہیں مگر
بیچنے والا، ہر صورت منافع اپنے پاس رکھتا ہے، اسی لیے
ان لکیروں کی ڈرائیونگ سیٹ پر وہ خود بیٹھا ہے

اپنا بچاؤ

میں اپنے آپ کو لے کر، کئی بار دور نکل جاتا ہوں
ہمارے درمیان جو بات چیت ہوتی ہے اس کے افشاء ہونے کا کوئی فکر نہیں ہوتا، ہم
بعض اوقات افسردہ اور اکثر یکطرفہ مسکراہٹ اوڑھ لیتے ہیں
میں خود کو مبارک دیتا ہوں کہ میں نے مجھ کو، بیماری کے بستر پر سنبھالے رکھا
بہت سی مصیبتوں میں خود کو چھڑا لے گیا۔
وہ سارے دوست اور دشمن یہ کہتے رہے کہ یہ کب مرے گا اور اس کا نام کب مٹے گا
میرا، میں، کئی بار جب ملنے آتا ہے تو کئی جھوٹی باتیں بکتا ہے
اپنے اندر بدی سمیٹے رکھتا ہے، باہر جا کر اس کا ذکر نہیں کرتا
کئی بار اس نے اپنے خلاف ہی نقصان کے منصوبے باندھے ہیں
لوگ کہتے ہیں کہ مجھے تو بڑا روگ لگ گیا ہے، اب کی بار وہ جو پڑا ھے تو اٹھنے کا نہیں،
میرا ایک ولی دوست جس پر مجھے بھروسہ تھا میری ہی روٹی کھا گیا، مجھ پر لاتیں مارتا رہا
مجھے پتہ ہے کہ ایک دن میں، خود کو مصیبت سے چھڑا لوں گا، میں اسے
دشمنوں کی مرضی پر چھوڑ نہیں سکتا۔ میں نے میرے کان کھول دیے ہیں
اب میں مزید اپنا منہ بند نہیں رکھوں گا
میری بدیاں مجھ کو پکڑے بیٹھی ہیں، میں آنکھ نہیں اٹھا سکتا،
لیکن جو میری جان کو ہلاک کرنے کے درپے ہیں
میں انہیں ہرگز سرخرو ہوتے نہیں دیکھ سکتا
میں مسکین اور محتاج ضرور ہوں مگر مجھے، اپنے چنگل سے خود ہی باہر نکلنا ہے
اس لیے میں خود کو لے کر دور نکل جاتا ہوں
اپنا بچاؤ ترتیب دینے کے لیے تنہائی اور اپنا ساتھ ضروری ہے

امداد

گرمیوں کا موسم، ہمارے بدن کا لباس بن کر ہم سے چمٹ گیا ہے
پہاڑیوں کی چوٹیوں کی برف، سرپٹ سمندر کو دوڑ پڑی ہے
سیرابیاں کھل گئی ہیں خروش بڑھ رہا ہے
پانی نالیوں کے کنارے توڑتے آبادیوں کی طرف نکل پڑا ہے
انسانی ہاتھ اس غضبناک دیوتا کے آگے بے بس ٹھہرے ہیں
یہ بچوں کو نگل گیا ہے جوانوں کو بہالے گیا ہے بوڑھے لرزاں ہیں
لٹے پٹے بچے کچھ، بھوک اور بیماری سے نڈھال ٹیلوں پر پناہ گزیں ہیں
ہیلی کاپٹروں کی تلاش میں آنکھیں پتھرا چکی ہیں
اوپر سے پھینکی ہوئی روٹی پانی کے ذخیروں میں ڈوب جاتی ہے
کشتیوں پر آنے والے، اخباروں میں اس کی منظر کشی کرتے ہیں مگر
اخبار ان کے ہاتھ نہیں پہنچتے، نہ کہیں سے امداد آتی ہے

ایک آدھ بلب

بہت ہو چکا اب مجھے اپنی جگہ خالی کر دینی چاہیے
میں نے بہت کوشش کی کہ اس دنیا کو
جانے سے پہلے کچھ دے سکوں مگر اب جبکہ رخصت کا
وقت آن پہنچا ہے، مجھے شدت سے احساس ہے
کاش میں بنی نوع انسان کے لیے کچھ کر سکتا
لیکن یہ زندگی بے کار ہی گزر گئی البتہ اب میں
آخری کام، شائد ایک بہتر کام' کرنے جا رہا ہوں
اپنی جگہ آنے والے بہتر انسان کے لیے خالی کر رہا ہوں
اس امید ہے کہ ساتھ کہ شائد وہ بنی نوع انسان کے لیے
ایک آدھ بلب ہی ایجاد کر پائے

ٹھنڈے لوگ

تم میں سے کتنوں نے رات کا تیسرا پہر دیکھا ہے

یہ تو روحوں سے ملنے کا وقت ہوتا ہے

میں بارہا عیسیٰؑ، نطشے اور فرائڈ سے ملا ہوں

کئی بار میں شیطان کا ہاتھ پکڑ کر،

فرشتوں کی باتیں سننے دور آسمان میں تیرتا پھرتا رہا ہوں

میرے سامنے کولمبسوں کی بات مت کرو،

میں تو اپنا خیمہ اٹھائے پھرتا ہوں،

اپنے رنگ محل تعمیر کرتا ہوں

گھروں سے بھاگنے والے تو

کنٹینروں میں مر گئے تھے

جامد پودے کاشت کرنے والے،

سفری حکائیتوں سے بے خبر ہیں،

یہ سائنسدان اور تصوف کے علم بردار،

آج تک خالق کی تلاش میں سرگرداں ہیں،

انہوں نے پلٹ کر،

پلاٹ سے باہر کبھی نہیں جھانکا۔

خود کو خود سے جدا کر کے، پیغمبری کا دعویٰ، صفر ہے

بستر پر لیٹی بیویوں تک، رسائی نہ پانے والے

تیسرے درجے کی مخلوق ہیں، ٹھنڈے ہیں

ننگے پاؤں، صحراؤں اور جنگلوں میں بھٹکنے والے

سمندروں پر چلنا سیکھیں۔

نئے سرے سے شروع کریں

رات کے دوسرے پہر کے داخل ہوتے ہی
میرے چہرے پر سیاہی، اتر آتی ہے،
طلسماتی لمحوں کا کھیل شروع ہو جاتا ہے
پردہ اٹھ جاتا ہے، منظر جگمگانے لگتے ہیں
یہ ناول میں لکھی کہانیاں ہیں، جن کے من گھڑت کردار
میری زندگی سے مشابہہ ہیں،
حجاب پہننے والی عورتیں، تمام عورتوں کی نمائندگی نہیں کرتیں مگر انہوں نے
میری صبحیں ویران کر دی ہیں
کچھ ایسے لوگ ہیں جن کی جھولیاں خالی،
پیشانیاں چوڑی ہیں، جن کے بیچ
نماز پڑھنے کی وجہ سے گول گول سیاہ گٹے پڑ گئے ہیں
انہیں یقین ہے کہ وہ اپنے رب کی کامل خوشنودی پا چکے ہیں حالانکہ
ان کی آنکھیں تنگ اور دغا باز ہیں،
مجھے ان جاہل، گھٹیا اور گھمنڈی قسم کے جانوروں سے نفرت ہے لیکن مجھے
اُس آگہی سے خوف آتا ہے، جسے میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا
میرا ضمیر، میرے پے در پے جرائم سے واقعتاً تر بتر ہو چکا ہے پھر بھی
ان کی باتیں کتنی کراہت انگیز ہیں، کتنی مضحکہ خیز ہیں، تفرقہ آمیز ہیں،
ہم سب حقیقت کی طرف کیوں نہیں لوٹ جاتے
خوابوں کے اس سینما سے باہر نہیں نکل آتے تا کہ ہم
اپنی اپنی شعبدہ بازی کا عمل نئے سرے سے شروع کر پائیں

تبادلہ

وہ میرے کان میں کچھ کہہ کر جلدی سے،
ڈرائیور کی بغل والی سیٹ پر بیٹھ گئی
مڑا تڑا رقعہ، اس نے سڑک پر پھینک دیا

جذباتیت پیسے کی سب سے بڑی دشمن ہے مگر
جسم کی گرمی سے اس کا تقابل ممکن نہیں
معاملہ نازک ہے، اسے ہر ایک سے بانٹا نہیں جا سکتا،
اس کو تبادلے تک ہی محدود رکھنا چاہیے

غسل خانے کے باہر بلاؤز اور پیٹی کوٹ کی چک پڑی ہے
اسے یقین تھا کہ سر جی بہت مہربان ہیں،
کام ضرور کریں گے

قہقہوں سے ٹوٹی نیند پر جھلاہٹ طاری ہے
کرتے کی آستین اور آنکھوں کی کیچڑ صاف کر کے،
ائرپورٹ چلو

تمہارا پلین رائٹ ٹائم روانہ ہوگا
اب اسے اسلام آباد کے کے چکر نہیں لگانے پڑیں گے
بیویاں، کبھی کسی قربانی سے دریغ نہیں کرتیں

لاوارث

اداسی اور معذوری نے چہروں پر قبضہ کرلیا ہے
بیماری نے ان کی ٹانگیں سوکھادی ہیں
ایسی بے رونقی اور تنہائی کے وارڈ' میں نے بہت کم دیکھے ہیں
یہاں کوئی ڈاکٹر نہیں آتا'
یہ تو طلسم کا میدان ہے جہاں
رخصت کی جانے والی روحیں لاعلاج قرار دے کر
چھوڑ دی گئی ہیں
میں ان کے بستروں کے بیچ' اپنی چٹائی اور تکیہ سر کے نیچے رکھ کر
ان کی دواؤں کی فکر کرتا ہوں، پوچھتا ہوں ان کے پاس
کتنے دنوں کی خوراک باقی ہے
نئی دواؤں کو معنی خیز نگاہوں سے دیکھتا ہوں، گویا
ان کے ایڑیاں رگڑنے کی مہلت'
بغیر جرمانے کے بڑھادی گئی ہے
ان کے وارڈ میں، ہر طرح صفائی رکھی جاتی ہے
سائڈ ریک پر چیزیں سلیقے سے رکھی ہیں،
ان کے ساتھ پڑے کاغذوں پر'
'اپنی باری کا انتظار کریں' صاف لکھا ہے
وارڈ کی الماری میں' بستروں کی سفید چادروں کے ساتھ
کٹے ہوئے لٹھے کے ان گنت' ٹکڑے پڑے ہیں' جن کے گرد
روشنیوں کے ہالے ہیں

بیٹیاں

یہ زمین بہت آلودہ ہوگئی ہے

مہربانی فرماکر اس پر

بیٹیاں بھیجنی بند کردے

آج کے باپ، اپنے گناہوں کا کفارا

اپنی اگلی نسل سے ادا کرتے ہیں

وقت بہت بے رحم ہے، کسی کو زخم دیے بغیر

مٹی سے ملنے نہیں دیتا، بدلہ وصول کرتا ہے

بازار میں بیٹھی عورتیں،

دماغ سے اتر گئی ہیں

ان کی پہچان کہیں گر گئی ہے

کچھ لوگوں نے ان گم شدہ عورتوں کی عزت

ٹھیکے پر لے لی ہے، اور کچھ بھائی

اس تجارت کو فروغ دینے کے لیے

یونیورسٹیاں پڑھ چکے ہیں،

وہ آج کی لڑکیاں

'ڈیفنس سیونگ سرٹیفیکٹ' میں لگاتے ہیں

ایک نسل کے بعد، شاندار بنگلے خریدیں گے،

یہ ایسی کہانی لکھی جارہی ہے

جس کی صرف ابتدا ہے

میرے بعد کوئی نہیں

میرے بوٹوں کے گملے میں ہر روز،
نئے پاؤں، اگ آتے ہیں، جو مجھے
ٹک کر بیٹھنے نہیں دیتے
میری باہری دیواروں پر کوئی اشتہار چسپاں کر گیا ہے
ان میں سے ایک پر تمہارے قتل کی تاریخ درج ہے
لیکن اس کے ساتھ "نوحہ" کی جگہ خالی ہے
میں، میرے گلے لگ کر' پھوٹ پھوٹ کر'
روتا ہے
میں' اس کا کندھا تھپتھپا کر کہتا ہوں،
ایسا ہوتا آیا ہے
تمہارے' آنسوؤں کی پنیری سے
ایک دن ضرور بغاوت کا عظیم الشان
'دیوتا اگے گا جو
لوگوں کے بے ربط جملوں سے تصادم
نکال باہر کرے گا
میں جانے سے پہلے تمہاری قبر پر،
خود کو کاشت کر دوں گا
تم اس سے اگنے والی' فصل کے تمام سر
کاٹ دینا تا کہ
میرے بعد کوئی 'میں' پھر پیدا نہ ہو۔

ہمارے بزدل باپ

تمہاری دلیلیں اور دعوے کھوکھلے ہیں،
ہمارے ہاتھوں پر لکھا ہے کہ باپ ہی ہمارے لئے اچھا ہے،
ہمارے باپ، اندر سے، ہمارے ساتھ نفرت کرتے تھے،
اگر وہ سچے ہوتے تو اپنے زمانے سے دغا نہ کرتے جس میں ہمیں جینا تھا،
اب وہ مسجدوں میں اعلان کراتے پھرتے ہیں کہ
ہم تمہارے لائق نہ تھے لیکن اپنے گناہوں کا کفارا،
اپنی اولادوں سے دلانا چاہتے ہیں
یہ جس آئینے میں اپنی شکل دیکھتے ہیں ان کے پیچھے دور کہیں سے
ریل گاڑیوں کی پٹریوں کے بولنے کی آواز آتی ہے،
ہمارے کرپٹ باپوں نے نئی نیم کرپٹ نسل کی زندگی اجیرن کردی ہے
یہ کیسی زندگی ہے، جس میں کچھ لوگ جان لیتے پھرتے ہیں،
کچھ جان بچاتے پھرتے ہیں
انسانی شکل میں ابھی آدھی روح باقی بچی ہے، اب بھی
اکیسویں صدی میں، بیسویں صدی کے
مزے لینے کے امکانات روشن ہیں،
ہمارے اسلاف ہم سے پہلے ہمارے حصے کی دال کھا گئے ہیں،
ان سے کہو، ہم سب کو ملکر ایک خونی انقلاب کا سامنا کرنا ہوگا،
باڑ کا پانی، جب گاؤں میں گھس جاتا ہے تو گاؤں کے کُتے
مکانوں کی چھت پر چڑھ جاتے ہیں
اپنے اپنے کتوں کو گلیوں میں نکالو

سیلاب عشق

میں تیرے حسن کے بیان میں تشبیہ لانے سے قاصر ہوں'
تو تو فرعون کی رتھ کی گھوڑیوں سے بھی حسین ہے
مسلسل زلفوں میں تیرے گال بے مثال ہیں
ان سے اٹھنے والی سنبل کی خوشبو کو میں تناول کرنے کی آرزو رکھتا ہوں
تیری چھاتیاں' جدی کے انگورستان سے مہندی کے پھولوں کا گچھا ہیں
تیرا پلنگ سبز اور کڑیاں صنوبر کی ہیں،
تیرے پھل نے میرے منہ میں مے خانہ انڈیل دیا ہے
میں تجھے کھڑکیوں سے جھانکتا اور جھنجریوں سے تاکتا ہوں
دیکھ میں تیرے لیے سلیمان کی پالکی لایا ہوں' اسے اپنے عشق سے مرصع کیا ہے'
میں آنکھیں بند کر کے تیری دونوں چھاتیوں کو دو توام آہو بچوں کی طرح پاتا ہوں
جو سوسنوں میں چرتے ہیں' تیرے ہونٹوں کر چوس کر دیکھا، ان سے شہد ٹپکتا ہے
تیرا سوتا محفوظ اور سربمہر چشمہ ہے'
میں اپنا ہاتھ سوراخ سے اندر کرتا ہوں' پیٹ پر ہاتھ پھیرتا ہوں
جس پر نیلم کے پھول بنے ہیں' تیری ٹانگیں' پایوں پر سنگ مرمر کے ستون ہیں
میری زندگی کے حرم میں ساٹھ رانیاں آئیں جن میں بے شمار کنواریاں تھیں
لیکن تیرا ظہور' صبح کی مانند ہے،
تیری رانوں کی گولائی' کسی کاریگر استاد کی تعمیر کا مرصع ہے
تیری ناف ملائی ہوئی مے کا پیالہ ہے' تیری قامت کھجور کی مانند ہے
کبھی کبھی تیری پشت پر مجھے انگور کی گچھے دکھائی پڑتے ہیں
یہ سیلاب عشق ہے کوئی باڑ اسے ڈبا نہیں سکتی

اٹھ باندھ کمر

ہزاروں آدمیوں کی بھیڑ لگ گئی ہے
لوگ ایک دوسرے پر گرتے، پڑ رہے ہیں
وہ کہتا ہے، ان کے خمیر سے ہوشیار ہو، چھپی چیزیں کھولی جانے والی ہیں
اندھیروں کی کی گئی باتیں، اجالے میں سنی جائیں گی
کوٹھڑیوں میں کہی سکیموں کی منادی کوٹھوں پر کی جائے گی
تمہاری عمر کی طرح، تمہارے سر کے بال بھی گنے ہوتے ہیں
تمہاری قدر، چڑیوں سے بہر حال زیادہ ہے
قوم کے خلاف کفر بکنے والوں کو معاف نہیں کیا جائے گا
ہم انہیں اختیار والوں کے پاس لے جائیں گے
ان کی کوٹھیاں ڈھا کر ان میں اناج ذخیرہ کریں گے
تمہاری کمریں بندھی رہیں، تمہارے چراغ جلتے رہیں

یہ تو چاہتے ہیں

یہ تو چاہتے ہیں ان کی ٹانگیں سوکھ جائیں
ان کو پولیو مار جائے
یہ تو چاہتے ہیں کہ ان کے منہ ٹیڑھے ہو جائیں
ان کو لقوہ مار جائے
یہ تو چاہتے ہیں ان کے دل پھٹ جائیں
ان کو ہارٹ اٹیک ہو جائے
یہ تو چاہتے ہیں ان کی ناکوں سے خون نکلے
ان کو برین ہیمرج ہو جائے
یہ تو چاہتے ہیں ان کو کینسر تشخیص ہو
یہ کتوں کی طرح بغیر بال سڑکوں پر پھریں
یہ تو چاہتے ہیں

اٹھنا منع ہے

میرے پاؤں کے گرد ایک خط کھینچ دیا گیا ہے، شائد میں
ایک سڑی ہوئی چیز ہوں جو فنا ہو چکی ہے یا پھر
میں اس کپڑے کی مانند ہوں جیسے کیڑوں نے کھا لیا ہے
ماں کے پیٹ سے نکلنے والا بچہ، ایک عارضی زندگی میں داخل ہو کر
تھوڑے دن دکھ اور دھوپ میں کاٹتا ہے، پھر اسے
پھول کی طرح کاٹ ڈالا جاتا ہے، اس پر سے سایہ ہٹا لیا جاتا ہے
اب تُو مجھے عدالتوں میں گھسیٹے گا، میری ناپاک چیزوں کا حساب مانگے گا
حالانکہ میرے دن میرے اختیار میں کہاں تھے، یہ تو ٹھہرے ہوئے تھے اور ان کی تعداد
تو نے تو مجھے حدوں میں باندھ رکھا تھا جنہیں میں پار نہیں کر سکتا تھا،
تو جب جب مجھے ڈراتا مجھے لگتا تھا کہ میں وہ درخت ہوں جس کو اگر کاٹ بھی ڈالا جائے
اس کی نرم نرم ڈالیاں پھر سے اُگ آئیں گی لیکن انسان تو مر کر پڑا رہ جاتا ہے، جیسے
جھیل کا پانی موقوف ہوا، دریا اتر گیا اور سوکھ گیا،
میری خطائیں تو میری ہتھیلیوں میں سربہ مہر تھیں، اور میرے گناہ میرے ساتھ سی دیئے
مجھے پتہ ہے میں بے فائدہ بکواس کرتا ہوں، ایسی تقریریں کرتا ہوں جو بے سود ہیں،
ہم میں کئی ایسے ہیں جن کے سر سفید اور عمریں اپنے باپوں سے بوڑھی ہیں
مجھے تو لگتا ہے کہ دو چار کو چھوڑ کر، کوئی ایسا نہیں جو عورت سے پیدا ہوا اور صادق ہو
مرنے سے پہلے ڈراونی آوازیں میرے کانوں میں گونجتی رہتی تھیں،
خیر تو یہ ہے کہ میں لیٹ گیا ہوں اور اٹھنا منع ہے
میرے منہ پر مٹاپا چھا گیا ہے، پہلوؤں سے چربی کی تہیں پگھل رہی ہیں، میرا پیٹ دھنسا
میں ایسے مکان میں آ گیا ہوں جو جگہ کھنڈر ہو چکی،
کاش کہ تو مجھے پاتال میں چھپا دے اور جب تک تیرا قہر ٹل نہ جائے، خود سے پوشیدہ ر...

ناراستے

خودغرضی کے جالے لپیٹے، سازشوں کی مکڑیاں، فاتحانہ مسکراہٹ لیئے
قبروں میں لیٹی ہیں، کردار کی شناخت گم کر رہی ہیں،
ان کا دعویٰ ہے کہ فرائڈ نے انسان کو ظلم کے حوالے سے،
دیگر حیوانات سے کم تر گردانا تھا
وہ دیگر مخلوقات کی نسبت زیادہ ظالم، بے حس و بدہیت تھا
انسان کشی میں اس کی دلچسپی بڑھی ہوئی تھی اور وہ اپنی ہی نسل کو مار ڈالنا چاہتا تھا
اب یہ معذرت بھی کرتے تو شائد زندہ انسانوں تک اس کی
رسائی نہ ہوسکے کیونکہ اگر یہ اٹھ بھی گیا تو تمام شہر مر چکا ہوگا
حافظے کو چیونگم کی طرح چبانے سے، بوڑھے چمگادڑ، سیدھے لٹکائے نہیں جاسکتے
پہاڑ کی قبروں سے ہاتھی زندہ نہیں نکالے جاسکتے
رخصت کرنے سے پہلے، انہوں نے میری کھال پر ٹاٹ کو سی دیا تھا
مکڑیاں، میری فریاد کو آرام کا وقفہ نہیں دیتیں، حالانکہ میرے بازو پر امام ضامن بندھا ہے
میرا دوسرا ضامن عالم بالا پر کھڑا دیکھ رہا ہے،
آگ کے شعلے بے نور ہیں اور اور میرے ڈیرے کی روشنی تاریک ہوگئی ہے
میری کمند میرے نیچے چھپادی گئی ہے، پھندوں کو راستوں میں بچھایا گیا ہے
ہر طرف سے دہشتناک چیزیں مجھے ڈراتی ہیں،
وہ سب آفت میں شامل حال ہیں اور میرے جسم کے اعضا کو کھانے پر مامور ہیں
یہاں سے میرے نام کی سب یادگاریں مٹادی گئی ہیں، گلی کوچوں میں
اب میرا نام کوئی نہیں لیتا، تختیاں اتار لی گئی ہیں
میرے پیچھے آنے والوں پر، آنے والے دن حیران ہوں گے، ناراستوں کے مسکن ایسے ہی ہیں

روڑی کے ڈھیر پر

میری منتیں، میری ماں کی اولاد کے لیئے اور میرا سانس،
میری بیوی کے لیئے مکروہ ہے،
چھوٹے بچے مجھے حقیر جانتے ہیں، پتھر لے کر میرے پیچھے بھاگتے ہیں،
مجھے کھڑا دیکھ کر مجھ پر آوازیں کستے ہیں،
میرے پیارے، جن سے میں محبت کرتا تھا، میرے خلاف ہو گئے ہیں،
میری کھال اور میرا گوشت میری ہڈیوں سے چمٹ گیا ہے،
اگرچہ میں بال بال بچ نکلا ہوں، مگر میرے دوست عزیز مجھ پر ترس نہیں کھاتے
وہ مجھے خدا کی طرح ستاتے ہیں، میری باتیں لکھنے والا کوئی نہیں
میری باتیں چٹانوں پر کندہ کرنے والی ہیں،
میرے عزیزوں میں افعی کا زہر بھر چکا ہے، ان کی ہڈیاں جوانی سے پُر ہیں
وہ اپنی کمال آسودگی میں بھی مجھے تنگی میں رکھتے ہیں،
مجھ پر دہشت چھائی ہے، میں اس آگ کا منتظر ہوں جسے کسی انسان نے نہ بھڑکایا ہو
میرے عزیز، میری بات سننے سے پہلے ہی ٹھٹھا مار لیتے ہیں، مجھ پر متعجب ہوتے ہیں،
میرے نزدیک ہوتے ہی اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لیتے ہیں،
وہ نہیں جانتے کہ ہر شخص، چین اور سکھ سے رہتا ہوا بھی مر جاتا ہے
اس کی ہڈیوں کا گودا کتنا بھی تر ہو، کبھی دائمی سکھ نہیں پاتا،
ہر دو، مٹی میں یکساں پڑ جاتے ہیں اور کیڑے انہیں ڈھانک لیتے ہیں
میں ان سے شایانِ شان سلوک کرنے کے لیئے، جلد
روڑی کے ڈھیر پر بیٹھنے والا ہوں

بڑی اداس شامیں

شامیں بڑی اداس اور بے معنیٰ ہوگئی ہیں سورج کے سرخ ہوتے ہی ہول آنے لگتے ہیں
جب آپ کے پاس، بجلی، فون اور گیس کے بلوں کے سوا
چیخنے چلانے کو کچھ نہ بچے، بچے چھوڑ کر جا چکے ہوں تو زندگی اجیرن ہو جاتی ہے
ایسے میں جی چاہتا ہے کہ آپ اپنے پرانے دوستوں میں سے کچھ کو پاس بلائیں
ان سے پرانی باتیں کریں، نئی زندگی اور نئی نسل کے مسائل پر گفتگو کریں
کیونکہ میرے جیسے ہر بوڑھے کی جیب میں ہر بیماری کا نسخہ اور
ملک کو درپیش سیاسی مسائل کا حل موجود ہوتا ہے،
شام کو دوست جمع کرنے میں آپ کو ایک زلزلے سے گزرنا ہوتا ہے
بی بی کبھی ویلے نکموں اور بے نمازیوں کے لئے کچھ پکانے کو تیار نہیں ہوتیں
خواہ وہ سستی ترین، دال روٹی کیوں نہ ہو،
مرغی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، وہ تو صرف اس روز میسر آتی ہے جب
آپ کے ہاں سالے، سالیاں یا ساس آن دھمکے
وقت نے ثابت کیا کہ شروع میں ہمارا ایک کمرے میں ساتھ سونا،
شائد درست نہیں تھا، وہ زنان خانوں اور مردان خانوں کا رواج ہی اچھا تھا
اس میں کم از کم آپ کو ذلت کا سامنا نہیں رہتا تھا، کوئی نہیں کہتا تھا
تم خراٹے بہت بھرتے ہو، رات بھر کھانستے ہو، تمہاری بلغم جگہ جگہ پھیلی ہے،
تم کھانا کھاتے ہو تو اکثر سالن تمہاری قمیض پر گر جاتا ہے
باتھ روم جاتے ہو تو فلش کرنا بھول جاتے ہو، نہا لیتے ہو تو تولیہ
کمر کے گرد باندھے لیتے ہو، نوکروں کے سامنے پھرنے کا یہ انداز کیا ہے؟
جب دیکھو تمہارے گھٹنوں میں درد رہتا ہے، تم پانچ ہزار کی دوائیاں ہر ماہ کھا جاتے ہو،
کسی کو بلانے کی ضرورت نہیں، جاؤ باہر جا کر گیٹ کے باہر بیٹھ کر
آنے جانے والوں کو دیکھتے رہو، تمہارا وقت اچھا گزرے گا
آٹھ بجے اندر آجانا، تمہیں ٹی وی لگا دیں گے

ناخنوں کے سرے

میری صحبت سے انہیں نقصان پہنچے کا اندیشہ تھا
سوانہوں نے میرا گٹھڑ میرے سر پر رکھوانے میں مدد کی
میں پاؤں میں زخم سنبھالے، بھیگی آنکھوں کے ساتھ
خودکشی کے دعوت نامہ کی اس نظم کی طرف چل پڑا، جس میں لکھا تھا
آدمی موت کی طرف بڑھ رہا ہے
اک مشہور ادیب کی کتاب میری نظر سے گذری تھی جس میں
شباب آور گولیوں کے اشتہار تھے، گرتے بالوں کا علاج تھا
یادوں کے دراز ہوتے سلسلے سے گھبرا کر، میں نے سوچوں کا گچھا بنایا
اور ساتھ والی گندی نالی میں پھینک دیا،
احمق کو اناج کے ساتھ اکھلی میں ڈال کر، موس سے کوٹنا بعض اوقات،
ضروری ہو جاتا ہے
تاجوری پشت در پشت قائم نہیں رہتی،
میں نے گٹھڑی میں کچھ سوکھی گھاس
جمع کر رکھی ہے، جس میں سے سبزہ جھانک رہا ہے
بکریوں کے لئے اکٹھا کیا گیا چارہ، میرے خاندان کی خوراک کو کافی تھا
مگر خوف کے رشتہ دار مجھے پسند نہیں کرتے،
نہ ہی اپنے ساتھ بٹھاتے ہیں
ان کا کہنا ہے کہ مترفوں کا ہم نشین، اپنے باپ کو رسوا کر چکا
جس کے سر پر کسی کا خوف ہے، وہ گڑھے کی طرف بھاگے گا
میں ناخنوں کے سرے چباتا، آگے بڑھ رہا ہوں

موزوں الوداعی جملہ

شام ہوتے ہی، میں کئی مسافروں کو گاڑیوں پر سوار کرانے/اتارنے آجاتا ہوں،
پتہ نہیں یہ سارے لوگ اتنی تیزی میں ادھر ادھر کیوں آجا رہے ہیں
ان کو زمین کے ساتھ ایک بامعنیٰ رشتہ رکھنا چاہیے
ارضیت کو سانسوں میں بسا کر، اپنے حصے کی مٹی کو قابو کر لینا چاہیے
یہ سب (نادان) بڑھے چلے جا رہے ہیں اور ایک دن نقصان اٹھائیں گے
آدمیوں اور ان کے دوستوں کے چہروں کی آب زمین سے جڑی ہے
بے تربیت یہ چھوڑ دیئے گئے لوگ، اپنی ماں کو رسوا کرنے والے ہیں
قہر آلود آدمی فتنہ برپا کرتے ہیں اور غضبناک، گناہ میں زیادتی (کرتے ہیں)
انسان کا ڈر، زمین سے جڑا ہے، ڈر تو ایک پھندا ہے
کون کدھر جا رہا ہے اور کون نیچے اتر رہا ہے، کس نے ہوا کو اپنی مٹھی میں جمع کر لیا ہے
کون پانی کو چادر میں باندھے، سفر کی حدود ٹھہرا رہا ہے
ان میں کتنے ہی اس پشت سے ہیں جو اپنے باپوں پر لعنت کرتے ہیں،
اپنی ماں کو مبارک نہیں کہتے،
کچھ مسافروں کے دانت تلواریں ہیں اور داڑھیاں چھریاں،
ان کے چہروں سے لگتا ہے وہ بنی آدم کے کنگالوں کو کھا جائیں گے
وہ آنکھ جو اپنی زمین پر ہنستی ہے اور اس کو حقیر جانتی ہے
آسمانوں کے کوّے ان کو اُچک لے جائیں گے،
گدھوں کے بچے انہیں کھائیں گے،
وہ جو خود کو ریلوے سٹیشن پر چھوڑنے آیا تھا،
اس سے کہو کہ اب کوئی موزوں الوداعی جملہ بتائے

چوری کا مجسمہ

مجسموں کی نمائش سے پسندیدہ مجسمہ چرانا کچھ مشکل ثابت نہیں ہوا
میں نے اسے چادر میں لپیٹ کر کندھے پر ڈال لیا،
سارے راہ چلتے آدمی خوش شکل نہیں ہوتے، میں نے
ان میں سے ایک کو مار گرایا اور جا کر پولیس کی وین میں بیٹھ گیا،
گنجا تھانیدار، کوئی فطین شخص نہیں تھا، میں نے اسے آسانی سے شکست دیدی
بس سٹیشن پر بہت رش تھا، ٹکٹ کے لئے لائن میں کھڑا ہونا پڑا
اس دوران مجسمے کا ایک بازو ٹوٹ گیا،
میں نے بازو اتار کر، ایک جھاڑی میں پھینک دیا،
پیدل چلتے ہوئے میری سانس پھول گئی تو میں مجسمے کا تکیہ بنا کر
پارک کے ایک درخت نیچے لیٹ گیا،
میں نے دیکھا، وہ مجسمہ، گٹھڑی سے نکل کر بھاگ کھڑا ہوا
میں نے زور سے ایک اینٹ اٹھا کر رسید کی جس سے اس کی
ٹانگیں ٹوٹ گئیں، اسے اٹھا کر دیکھا تو وزن اب بھی بہت زیادہ تھا
سو میں نے اس کا دوسرا بازو توڑ کر گندے نالے کے سیاہ پانی میں گم کر دیا
تب وہ مجسمہ گویا ہوا کہ تم جنات کے یاروں اور افسوں نگروں کے ساتھی ہو
اب میں مردہ ہو کر تم سے اپنی زندگی واپس کرنے کا مطالبہ کیسے کروں
مجھے لگا کہ یہ تو زندوں مردوں کے سوالات شروع ہو گئے ہیں،
اگر میں نے بولنا شروع کیا تو شائد صبح نہیں ہو گی، تب
میں نے نیفے سے مڑا ہوا خنجر نکالا اور اپنی گردن پر پھیر دیا،
مجسمے کا وہ خوبصورت چہرہ جو مجھے پسند تھا، پہن کر چوک پر کھڑا ہو گیا

پلیٹ فارم کا ٹکٹ

اماوس کی تاریک رات نے حشرات الارض کو جنم دے کر
باہر زمین پر دھکیل دیا،
بھیانک تاریکی نے اپنی آغوش کھول کر گناہوں کو نام لے لے کر پکارا
ہلاکو کلہاڑے کی زد پر کئی گردنیں کٹنے کو تیار بیٹھی تھیں،
بیٹوں کو اٹھا لے جانے کے لیئے سازش کے میزان تیار تھے
کالے لباس میں کچھ تنومند، حشرات الارض سمیت، زمین کے کچھ قطعات
چھین لینے کی تیاری میں مشغول، پوری طرح دُھت تھے
ہلکی نیلی روشنی والے کمروں میں کچھ باندیاں
حقوق کاشت سے محروم کی جا رہی تھیں
کچھ عالم، کہانیوں میں ابوالفضل نقش کرنے میں لگے تھے
بعض چھاتیوں کی انگیٹھی کے نیچے آگ دہک اٹھی تھی
کچھ شکرے، ان کو دبوچ لینے کے لیئے جیسے گوریا پر ٹوٹ پڑے تھے
ایک ٹولی جن کو گلاب بہت پسند تھے، کچھ خوبصورت دکھتے لڑکوں کو
آغوش میں بھر کر بیٹھے تھے
ریل کی پٹری کے پار، اس جانب، ریلوے سٹیشن کی سنگین عمارت کھڑی تھی
جس کے ساتھ ایک کٹیا سے نکل کر، ایک بوڑھا،
چٹکی میں پانچ کا نوٹ پکڑے، بکنگ آفس کی کھڑکی سے
پلیٹ فارم کا ٹکٹ، جو دو گھنٹے کے لیے کارآمد تھا، خرید رہا تھا
یہ دو گھنٹے، اس گھنی، گہری، سیاہ رات میں، اس کے گھر میں، اگلے ایک ماہ کا
راشن لانے والے تھے

مونگری بانس

ایسے حادثے رونما ہو جائیں تو بزرگوں کی سینکڑوں سالہ قبریں پھٹتی دیکھی گئی ہیں
تولید و تناسل کے اثرات میں چماریوں کے ہاں سید و شیخ کی تمیز رہتی ہے
چماروں کو رقم دے کر، خوش خرید لونڈی میں بدلا جا سکتا ہے
وہ دھارے جو شفاف جھیل کی سطح سے ہٹ کر نابدان میں کود جاتے ہیں
چپکے سے راستہ بدل کر گندے پانی کی نالی کا رخ کرتے ہیں
محکمہ جنگلات میں زیتون کے درخت لگانے کا تجربہ کامیاب نہیں ہو سکا
چھوٹے بھائیوں کا ماتم بڑھانے میں بڑے بھائی جھوم جھوم کر انتظام کرتے ہیں
پھولوں اور سفید کفن میں کلمہ طیبہ کی پُر رقت گونج سجا کر باپ کی غلطی کو دفنانا مجبوری تھی
قدرے پتلی مونگری بانس کی لچک دار شاخ کا ایک ٹکڑا،
ایک جھٹکے میں ٹیٹوا اچکا کر گدّی سے جا ملاتا ہے

پہرہ

ان کے چہروں پر تعفن لکھا ہے
ان کے کان زہر، زبانیں آگ اگلتی ہیں
یہ نئے دور کے ڈائنوسار ہیں، جنہوں نے سڑکیں بلاک کر کے لوگوں کو نگل لیا ہے
ان کے عم زاد، اپنے اپنے جبڑوں کے مطابق عوام کو نوچ رہے ہیں، کھسوٹ رہے ہیں
یہ ہمارے گھروں میں داخل ہو گئے ہیں، دن دیہاڑے
ہماری گلیوں سے بچوں، بچیوں، اور عورتوں کو لے جاتے ہیں
ان، بے غیرتی اور بے حمتی اماموں کی پرورش کرنے والے
پہلے کتے ہوا کرتے تھے، اب بھیڑیے بن چکے ہیں
دن رات بغیر وردی کے ان کا پہرہ دیتے ہیں

تبدیلیوں کا موسم

مجھے اس بات کا یقین تھا کہ اگر میں مخالف سے تیز ہنس سکا تو اسے آسانی سے زیر کرلوں گا
بیچ سے زمین پر تھوک دینا، گول گول منہ بنا کر تھوک نگل لینا
سُونے کمروں میں بھنبھناہٹ پیدا کرتا ہے
جو لوگ چیلوں کی فوج لے کر چڑھائی کرنے آئے تھے، اس شخص کو
تلاش کرنے لگے جن کے لیئے لڑاکا بطخیں تیار کی تھیں
کرپشن، سیکر یٹریٹ کا سب سے اہم اور پسندیدہ موضوع ہے
میرٹ پر فیصلہ کرنے والوں کے ریٹ آویزاں کردیئے گئے ہیں
لائف ممبر کو ایک لڑکا اپنے لیئے منتخب کرنے کی اجازت ہے
جو اطلاعات ہمیں مل رہی ہیں ان سے ہمیں کوئی شک ہو ہی نہیں سکتا
سرگوشیوں میں بدلتی گفتگو، پارسی تھیٹر میں کی جانے والی خود کلامی ہے
نوکر شاہی، ناکارہ، نیتا نما، احمقوں کے ساتھ بے تکلف نہیں ہوتی لیکن
کارآمد ہو تو اس کے سامنے بچھ جاتی ہے
بلیک بیری کے دور میں، پبلک کال آفس سے فون کرنا چاہیے
کھنکار کر کرسی پہلو بدلنے والوں کو ایک ماہر فوجی افسر نے شرمانے کی تربیت دی تھی
آج کل کے لڑکوں کی باتیں حیرت انگیز طور پر مشترک ہیں
پچیس، تیس سال کی عمر والے یہ لڑکے، جینز پہنے، ہاتھوں میں سیل فون لیے،
ہلکی داڑھیاں بڑھائے، ایک ہی بات کے درپے ہیں کہ نظام بدلا جائے
ابھی یہ بحث جاری ہے کہ گرمی کچھ زیادہ ہے یا پھر یہ اُمس ہے
ہم نے تمام عمر زورآوروں کے پاؤں پکڑے ہیں مگر اب پیر پکڑنا خطرناک ہوسکتا ہے
اب تو جو لوگ آرہے ہیں، ساتھ ڈھیروں ہم خیال اور پیر و کار ساتھ لا رہے ہیں
ڈھیل گھبرائے پھرتے ہیں، گنجے منہ چھپائے پھرتے ہیں، وراثتوں پر قابض خوفزدہ ہیں
نئے کارکن بنانے کا موسم اُگ پڑا ہے، وراثتیں ہلاک کرنے والے آگئے ہیں،
صحافی قلم کاغذ سنبھالے، پوچھتے ہیں، آپ کب سے سیاست میں ہیں؟

لفظوں کی پوٹلی

سانس لینے کو اگر مشغلہ بنایا جائے تو اس کے نتائج شاندار ہوتے ہیں
ہمارے ہاں لوگوں کو چیزوں سے چپک جانے کی عادت ہے
چناب پار کی ٹرانسفر میں، آدمی پردیسی ہو جاتا ہے
جلسے، جلوس، امام بارگاہیں اور مساجد راہ حق کے شہیدوں کیلئے محفوظ مسکن ہیں
میرے ایک صحافی دوست کو گولی ماردی گئی ہے، کل میں اس کی لاش لینے جاؤں گا
میں تمہیں خودکشی کے معنی سمجھا سکتا تھا، اس کے فلسفے پر بھی میری گرفت ہے
مگر خودکشی کا پرچار کرنا، ایک کریمینل ایکٹ ہے
اگر تم نے زیادہ زبان چلائی تو میں تمہاری خودکشی کردوں گا
مجھے سمندر کے کنارے کھڑا ہو کر، ڈوبتے سمندر کی تصویر کشی کرنی ہے
میری انیکر کی آنکھیں سمندر سے زیادہ نیلی ہیں، سحر سے لبریز ہیں
وہ سمندر میں ڈوبی ہے، میں اس کی آنکھوں میں ڈوبا ہوں
میں آج رات جاگ کر اسے اپنی کہانی سنانے والا ہوں
مجھے پتہ ہے، سورج نکلتے ہی، شہر میں اشتہاری نکل پڑیں گے
مجھے گارے کی زیر تعمیر دیوار پر باندھ کر، چننے کی کوشش کی جائے گی
اپنی کہانیاں کہنے کو میں بہت سے لفظ پوٹلی میں باندھ لیتا ہوں
لکھتے سمے، جب میں انہیں باہر نکالتا ہوں تو یہ سب ایکا کر لیتے ہیں
میرے پکارنے پر ایک ایک کر کے باہر نہیں آتے، میری ہنسی اڑاتے ہیں
لڑنا تو سپاہیوں کا کام ہے، مجھے ایک اور شادی کر لینی چاہیے
بارش میں لکڑیاں گیلی پڑ جاتی ہیں، میں نے سوچا، میں اپنے خیالات میں
کچھ ترامیم کر کے، انہیں دوسروں کے کندھوں پر مڑھ دوں گا

اے میرے شہر کے لوگو!

سیلاب، عشق کو بجھا نہیں سکتا نہ ہی، باڑھ اسے ڈبا سکتی ہے
بوستان میں رہنے والی کے رفیق اس کی آواز سُنتے ہیں،
میں بھی اس سماعت کا دلدادہ ہوں
محبت کے بدلے اپنا سب کچھ دینے والا، سارے دروازے کھول کر سوتا ہے
محبت نے میرا سر، شبنم سے تر کر دیا ہے
میرے دل وجگر میں اس کے لیئے جنبش ہوئی
میں اس کے لیئے دروازہ کھولنے کو اٹھا تو میرے ہاتھوں سے مُر ٹپکا
میری انگلیاں قفل کے دستوں پر پڑیں، میں نے
اپنی محبوب کے لیئے دروازہ کھول دیا مگر وہ مڑ کر جا چکی تھی،
میں نے اسے پکارا، پر مجھے کچھ جواب نہیں ملا،
پہرے والے جو شہر میں پھرتے تھے، جب ملے تو انہوں نے مجھے مار مار کر گھائل کر دیا
شہر پناہ کے محافظوں نے میری چادر مجھ سے چھین لی
لوگو! میری محبوب سرخ وسفید ہے، اس کی زلفیں
پیچ در پیچ، کوے جیسی کالی ہیں
وہ ان کبوتروں کی مانند ہے جو لب دریا تمکنت سے بیٹھتے ہیں
وہ سراپا عشق انگیز ہے، وہ عورتوں میں سب سے جمیلہ ہے
اگر اس نے میری طرف سے آنکھیں پھر لیں تو میں گھبراہٹ سے مر جاؤں گا
وہ حسن میں ماہتاب اور نور میں آفتاب ہے
اے میرے شہر کے لوگو، اگر تمہیں میری محبوبہ مل جائے تو اس سے کہہ دینا
میں عشق کا بیمار ہوں

اگلی نسل

زمین پر نظر ڈالو، ویران اور سنسان نظر آتی ہے
لگتا ہے، پہاڑ کانپ گئے ہیں،
فلک بے نور نظر آتا ہے
دور دور تک کوئی آدمی نہیں،
سب ہوائی پرندے اڑ گئے ہیں
اب یہ غارت شدہ زمین کیا کرنے والی ہے
کچھ بچے کھچے لوگ قحبہ خانوں میں اکٹھے ہیں
جن کے پیٹ گھوڑوں کی مانند ہو چکے ہیں،
وہ اپنے پڑوسیوں کی بیویوں پر ہنہناتے ہیں حالانکہ
ان کے ترکش کھلی قبریں ہیں
ان کی آنکھیں ریت سے تجاوز نہیں کرتیں
وہ پھندا لگانے اور گھات لگانے کے ماہر ہیں،
جال لگا کر عورتوں کو پکڑتے ہیں، ان کے گھر
اس پنجرے کی مانند ہیں جن میں
چڑیاں بھری ہوں، یہ پنجرے مکر سے پُر ہیں
شام کا سایہ بڑھتا جاتا ہے، اٹھو
رات کو ہی چڑھ دوڑیں،
ان بچ جانے والوں کے قصروں کو ڈھادیں
ان کے گھر جلادیں اور ان کی بیویاں آپس میں بانٹ لیں

پیوند

تھوڑی سی گرمی، گٹھڑی میں باندھ کر رکھ لو،

سرد علاقوں میں اس کی کمی، بڑی محسوس ہوتی ہے

اگر وزن اٹھانا، ناگوار ہو تو کوئی

چھوٹا موٹا بدن بھی کام کر جائے گا

ایک جیکٹ میرے باپ کی رکھیل تھی، اس کی محبت اس سے

کچھ اس طرح بڑھی ہوئی تھی کہ آخری وقت میں ہمیں،

اس کے بدن سے چھیل کر اسے اتارنی پڑتی

بل کھاتی سڑک پر چلتی جیپ پر بیٹھے ہم نے

ایک سائڈ پر ایک دس سال کی، سرخ و سپید لڑکی دیکھی تھی

جب شفقت پدری سے ہم نے کار روک کر

اسے پیار کرنا چاہا، وہ چیخ کر

بھاگ کھڑی ہوئی،

بیری کے پودے پر میں نے

آڑو کی شاخ کا پیوند لگایا تھا،

پندرہ سال بعد میں لوٹا، تو اس درخت کو دیکھنے کا

مجھ پر جنون طاری تھا،

میں نے دیکھا کہ وہاں تو صرف

چمگادڑوں کا پھل اگا تھا

نیند کا راستہ

میں ایک شدت پسند آدمی ہوں/
ایک دن نیند مجھے راستے میں مل گئی تھی/
میں نے رومال میں لپیٹ کر رکھ لی،
روز روز کی بک بک سے تنگ آ کر/
میں نے خودکشی کو موت کے گھاٹ اتار دیا،
کشتیوں کے سوراخ بند کرنے پڑے، تو سامان کہاں سے ملتا/
سوراخوں نے تو سمندر سے دوستی کر لی تھی/
میں نے کشتی سے اتر کر لہروں پر چلنا شروع کر دیا/
ہوا کا رخ بدلتے ہی جوار بھاٹا، چاند سے مل گیا/
میں نے آندھی باندھنے کی دعا پڑھی
ایک مچھلی مجھ پر عاشق ہو کر، سمندر سے باہر میرے ساتھ اڑنے لگی/
سردی سے آسمان کا رنگ نیلا پڑ گیا/
سورج کی روشنی پیلی پڑتے ہی طوفان کو تنہا چھوڑ کر/
زمین پر آ گیا/
زمین تو میری جنم بھومی تھی/
اس سے ہٹ کر مجھے مرنا منظور نہیں تھا
میں لوٹا تو سردیاں آ چکی تھیں/
کوٹوں نے کان کھڑے کر لئے تھے
جیبیں آپس میں جڑی سرگوشیاں کرتی تھیں
میں نے ان کی باتیں سن لیں
پل سے گزرتے ہوئے میں نے کوٹ اتار کر، دریا برد کر دیا

مجسمہ ساز

اسے جوان ہونے میں بہت سال لگ گئے،
اکیس سال کی عمر میں جوان ہونا کون سا کمال ہے،
اس عمر میں تو لکڑی کی عورت پر بھی پھول نکل آتے ہیں،
اس کے یار نے اسے ایک شفون کی ساڑھی بنا کر دی تھی جسے
نصف شب کے بعد اس پر پہننا لازم تھا
برسوں وہ اسے تھوڑی دور کھڑا کرتے دیکھتا رہا
اس کے بدن کے اتار چڑھاؤ، نشیب و فراز، اب اسے
از بر یاد ہو گئے تھے،
وہ آنکھیں بند کر کے بتا سکتا تھا کہ
سیاہ دائروں کے نشان کتنے بڑھ گئے ہیں
اس نے جغرافیہ نہیں پڑھا تھا لیکن تجربے کا کوئی نعم البدل نہیں
پھر بھی اسے معلوم نہیں سینہ کہاں ختم ہو کر پیٹ میں ڈوبتا ہے
کمر کا عرض بلد، طول بلد میں تبدیل ہو چکا ہے
اتنے سالوں میں اس کا شوق مر گیا ہے،
دور کی عینک پہن کر اسے چیزیں تلاش کرنی پڑتی ہیں،
اس کا بس نہیں چلتا کہ ان مجسموں کو دماغ سے
خارج کر کے، سڑک پر پھینک دے

مادر پدر۔فری

فری مارکیٹ اکانومی نے ،فری واردات کو فروغ دیا ہے
کاروبار اور زندگی گزارنے کے نئے نئے طریقے
ایجاد ہو رہے ہیں
ہوس زر، قد بڑھاتے ،جنسی ہوس میں تبدیل ہو چکی
جن کی چنگیروں کا رزق کتے اٹھا کر لے گئے تھے،
مخبوط الحواس ہو چکے
روایات بدل رہی ہیں، زبان کے نئے ذائقے
ایجاد ہو گئے ہیں
بچوں کا گوشت نرم اور لذیز ہوتا ہے
شوہروں کی ہانڈیاں چڑھائی جانے لگی ہیں
مردوں کے ڈھانچوں کی قدر و قیمت بڑھانے میں
گلی محلے کے طبی کالجوں نے اہم کردار ادا کیا ہے
کمشن کھانا، اب غبن سے چھوٹا جرم ٹھہرا ہے
منصفوں کے فیصلے ،اخباروں میں چھپے اشتہار ہیں
مشترکہ قراردادیں جنسی ادویات کی فہرست ہیں
خط وکتابت سے معاملات طے کرنا،
جمہوری طریقہ قرار پایا ہے
قبروں میں لیٹی عورتوں کے، حاملہ ہونے کی خبریں آرہی ہیں،
ان بچوں کو لے کر ہم کہاں جائیں گے

نیا سیّد

میری داڑھی بڑھ گئی ہے، میں نے اس سے دائمی رشتہ نبھانے کا ارادہ کر لیا ہے
ایک لمبی سیاہ عبا اور سفید لٹھے کی شلوار نے میری شخصیت کو
بڑھاوا دے دیا ہے
میرے ہاتھوں کا لمس، ایک نئے میں، کو سرے پاؤں تک چھو رہا ہے
میں زہد و اتقا میں بڑھا ہوا دکھائی دیتا ہوں
نئے شہر میں میرے آلِ رسولؐ ہونے کا چرچا ہے
پٹھان روٴسا، گہری عقیدت کے زیر اثر،
جھک کر ملتے ہیں اپنی غلامی پر فخر کرتے ہیں
میری خداداد عقل و دانش کے سبب، تمام طبقے،
مجھے پر خلوص مانتے ہیں
میں مخصوص قرآنی آیات دم کر کے، لوگوں کے ماتھے پر لکھی
بدی مٹا دیتا ہوں
میرے ازلی رئیس زادے ہونے کے تصور نے،
مجھ پر ملوکیت کے سارے دروازے کھول دیئے ہیں
نفرت کے پیٹ کو احسان سے کھینچا جا سکتا ہے
میں شودروں کے گدلے اور متعفن ابدان کو،
ایک پھونک سے
پاکیزہ انسانوں میں بدل دیتا ہوں، پھر بھی جانے کیوں
میرے اندر والے چمار نے، میرے اندر کسی کونے میں، انگڑائی لی اور
نئے سید پر چڑھ دوڑا۔

جنگ

کہتے ہیں' تم وہ جنگ ہار چکے ہو
وہ جنگ' جو میں نے لڑی ہی نہیں،
ایسے وقت میں' جب میں اینٹیں ڈھو رہا تھا، کنواں کھود رہا تھا،
پانی کی تلاش میں پیدل سفر کر رہا تھا'
میری غیر حاضری میں میرے بیٹے جو
گھر کی حفاظت پر مامور تھے' ہٹا کر
سیکورٹی گارڈوں کے حوالے کر دیے گئے
وہ کہتے تھے' ہم عوام کے نمائندہ سپاہی نہیں
ہم ہمیشہ تمہاری حفاظت کرتے رہیں گے
تمہیں ڈھونے کو مٹی اور کوٹنے کو لوہا فراہم کرتے رہیں گے
تم اپنا کام جاری رکھو' ہماری طرف مت دیکھنا
حادثوں کے لیے آمنے سامنے کی ٹکر کے سوا، پڑول اور گیس کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ
اردگرد کے زندہ انسان جلائے جاسکیں
صرف بھوک سے مرنا' کافی نہیں ہوتا
اس کے لیے جنگ ضروری ہے، اور جنگ صرف ہم لڑ سکتے ہیں
یہ سب ملے ہوئے ہیں' میں تو کبھی محاذ پر گیا ہی نہیں'
میں نے کوئی جنگ نہیں لڑی پھر بھی میں جنگ ہار چکا ہوں
ہمارے رہنماؤں نے تاریخ سے کچھ نہیں سیکھا
وہ' ہمیں ایک دائرے میں سفر کراتے رہے ہیں
چٹائیوں کی چار دیواری اور ٹین کی چھتوں میں رکھ کر
اپنی باریاں لگاتے رہے ہیں' اور کہتے ہیں'
میں جنگ ہار گیا۔

یاد کا جنگل

یاد ایک جنگل ہے، جس کو فروخت نہیں کر سکتے
اس کو کمرلا دے پھرنا
سوائے کوفت کے کچھ نہیں
اس میں میری ایک سہیلی رہتی ہے
جس کا نام چڑیل ہے، مجھے اس کے پاؤں سے
کبھی نفرت نہیں رہی، اسے بھی بارش پسند ہے
سینکڑوں غاروں والے رستوں پر
تالے ڈال دینے چاہئیں تا آنکہ
کوئی خزانہ تلاش کرنے کا متمنی ہو،
ایک اونگھتی ہوئی نظم ہر شخص کے جنگل میں اگی ہوتی ہے
جسے باہر اگلنے کے ڈر، گو ہر کوئی سہہ نہیں پاتا
پھر اس کا زہر پورے جسم میں پھیل جاتا ہے
اونچے پہاڑوں پر کمند ڈال کر چڑھنا چاہیے،
جس طرح پتھر، چٹانوں سے لڑھکتے ہیں
سر میں آنے والے زخموں کا کم وبیش یہی حال ہوتا ہے
جنگلی عورتیں اپنی زبان سے اپنے زخم چاٹتی رہتی ہیں،
وہ کتے کا کردار ادا نہیں کر سکتیں، انہیں اگل کر چاٹنا نہیں آتا
مضبوط پنجوں والے جانور، دریا سے مچھلی اچک لیتے ہیں
دیوار کے بڑے فریم میں جنگل کی تصویر آویزاں ہے
خزاں کا مہینہ آتے ہی، اس کے ہرے بھرے درخت
کون اٹھا کر لے جاتا ہے۔ تم بتاؤ۔

لمحوں کا سفر

میں بولتا ہوں تو کوئی میری طرف متوجہ نہیں ہوتا
مجھے لگتا ہے، کسی نے میری زبان بند کر دی ہے
یا پھر لوگ بہرے ہو گئے ہیں
میرے پاؤں کے انگوٹھے سن ہو رہے ہیں
نقاہت سے میں ہل نہیں سکتا کوئی میرے پاؤں پر کمبل ڈال دے
یہ کیا ہو رہا ہے ایک سنسنی سی ہے جو میری کمر کی جانب سرایت کرتی چلی جا رہی ہے
مجھے بہت ٹھنڈ لگ رہی ہے، کوئی متوجہ ہی نہیں ہوتا
میری ریڑھ کی ہڈی میں، ٹھنڈ نے تیرنا شروع کر دیا ہے
میں زور لگاتا ہوں، مگر اٹھ نہیں سکتا مجھے کسی نے جکڑ لیا ہے، باندھ لیا ہے
ایک نئے عذاب سے دوچار ہو رہا ہوں، ایک اژدھا،
بہت بھاری سانپ، آن کر میرے سینے پر کنڈلی مار کر
بیٹھ گیا ہے، کوئی اسے اٹھائے، میرا سانس
رک رہا ہے میری نبضیں ڈوبتی جا رہی ہیں
گلا خشک ہو رہا ہے، ایک دھندی آنکھوں کے آگے
چھانے لگی ہے، سانپ کی آنکھیں میرے ماتھے پر جمی ہیں
پسینے کے دو قطرے میری پیشانی پر ٹنگ گئے ہیں
یوں لگ رہا ہے مجھے کسی نے جھاڑیوں پر لٹا دیا ہے
مجھے اس طرح گھسیٹا جا رہا ہے جیسے کوئی ریشمی دوپٹہ
کانٹوں کی باڑ پر گھسیٹا جاتا ہے
اس تکلیف کی شدت نے میرا دماغ ماؤف کر دیا ہے
لوگ میرے ارد گرد جمع ہو گئے ہیں، ....

زور زور سے دھاڑیں مار مار کر رو رہے ہیں
گھر میں کوئی حادثہ تو نہیں ہوا، پھر یہ کہرام کیسا

خودکشی

تم نے کبھی خودکشی کو مرتے دیکھا ہے
اس کی آمد کا سلسلہ آدمی پر
اترنے والی وحیوں کے ساتھ جڑا ہے
بالکل اسی طرح، جسے کسی مخبوط الحواس شخص پر
شاعری اترتی ہے، اگرچہ
اس کی کاشت زمین پر کی جاتی ہے
یہ ایسا حسین خواب ہے، جس کی تعبیر
آزادی کے بستر پر سوئی ہے
اس کا نقطہ آغاز بھوک، عورت، نفرت میں گم ہے،
میں نے اسے کئی بار پیدا ہوتے دیکھا ہے
اس کا عمل عورت کے دردِزہ سے ملتا جلتا ہے
اسی لیے میں نے اسے بار بار مرتے پایا ہے

چاپ اور سایہ

دو ہی چیزیں میری اپنی ہیں،
ایک میری چاپ اور دوسرا میرا سایہ
ان کے درمیان میرا دل بکل مارے بیٹھا ہے
جب دونوں کی تال میل بگڑتی ہے
میں میز کے نیچے سے اس کو نکال کر اوپر رکھ لیتا ہوں،
چاپ کی آواز پھر سنائی دینا شروع کر دیتی ہے،
سایہ اچانک بادل بن کر اس پر چھا جاتا ہے
ٹھنڈ سے اس کی گردش سست پڑ جاتی ہے،
بارش کی بوچھاڑ سے ڈر کر، چاپ آنسو بھری نظروں سے اوپر اٹھتی ہے
پناہ مانگتی ہے، دل بند ہو جاتا ہے

ترجیح

میں اپنے قد کو، اپنی زبان سے چاٹ کر، چھوٹا کر رہا ہوں
بونوں کے دیس میں لمبے آدمیوں کی گنجائش نہیں
کرائے پر ڈائنیں لانے کی ضرورت نہیں،
آبشار کے پانی میں بلبلے بنانے کے لیئے سٹرا کی ضرورت پڑے گی
ساتھ والے گاؤں میں کوکا کولا ملتی ہے، وہاں چلیں
لڑکیاں دیکھے ایک لمبا عرصہ گذر گیا،
اتوار کے ساتھ ہفتے کی چھٹی پائی جانے لگی ہے
اس روز لیٹے لیٹے اپنے اندر اترا جا سکتا ہے
پرانی یادوں سے کئی مچھلیاں بھون کر کھائی جا سکتی ہیں،
کیمسٹ میرا ہمسایہ ہے، اس سے نیند کی گولیاں حاصل کرنا مشکل کام نہیں
چائے میں ڈالی گئی دو گولیاں، انہیں مرنے پر تیار کر دیں گی
تمہیں صرف ایک ٹوکے اور چھری کا بندوبست کرنا ہے
کل قورمہ کھائیں گے
جیوتشی کو کیا پتہ اسکا گاہک کب آئے گا،
ڈاکٹر کو بھی اندازہ نہیں اگلا مریض کب دیکھنا ہوگا
جیوتشی اور ڈاکٹر ایک ہی کشتی کے سوار ہیں، مردار ہیں
تمہاری بہن نے جب سے ایک ہمزاد کو جنم دیا ہے
میں اسے گود لے کر، گنجے کے سر پر چپت مارنے کے چکر میں ہوں
جنونی آدمی مجھے بہت اچھے لگتے ہیں،
میں ان کے پیچھے بھاگنے کو ترجیح دیتا ہوں
تمہاری ترجیح کیا ہے

رہائی

میں مدتوں سے خاموش پڑا ہوں

دن بھر کراہنے سے میری ہڈیاں گھل گئی ہیں

میرے جسم کا پانی،

خشکی میں بدل گیا ہے

وہ کہتے تھے،

شریروں پر بہت سی مصیبتیں آتی ہیں

راست دلی پر چڑھ کر، مغروروں کو نہ للکارو،

تم گھوڑے اور خچر کی مانند نہ بنو،

جن میں سمجھ نہیں ہوتی

تم جیسوں کو قابو میں رکھنے کا ساز دہانہ اور لگام ہے

انہوں نے تو سمندر کا

پانی تودے کی طرح جمع کر لیا تھا

بچ نکلنے کے لیئے گھوڑا بیکار پڑ گیا

زبردست ہو کر بھی بڑی طاقت رہائی نہ دے سکی

اب کون ہے جو میری جان کو موت سے بچائے

قحط میں مجھ کو زندہ رکھے،

کو کمک اور سپر بھیجے

میری اپنی دہشت سے مجھے رہائی بخشے

محبت کی بندگی

وہ ایک دلہن کی طرح اپنے خلوت خانے سے نکلتی ہے
میں نے اس کے لیئے آفتاب میں خیمہ لگایا ہے
میرا ہر مسام، اسکی حرارت سے بہرہ مند ہے
وہ میری جان کو بحال کرنے کا ہنر جانتی ہے
وہ سونے اور کندن سے بڑھ کر پسندیدہ ہے
اس کے ہونٹ شہد سے زیادہ شیریں ہیں
ہے کوئی جو مجھے بے باکی کے گناہوں سے باز رکھے
اور بڑے گناہوں سے بچائے
وہ میرے منہ کی درخواست کو نامنظور نہیں کرتی
اس نے میرے سارے ہدیوں کو یاد کر رکھا ہے
کوئی اس پر مجھ سے بہتر چلا نہیں چڑھا سکا
آدمیوں میں، میں انگشت نما ہوں اور لوگوں میں حقیر
میرے پانی کی طرح بہہ جانے نے، اسکا دل موم کر دیا،
اس نے میری ٹھیکرے کی مانند خشک جان کو
اپنے ہونٹوں سے لگایا اور سرفراز کر دیا
مجھے اب کوئی غم نہیں ہے، جو کوئی چاہے
میری پوشاک پر قرعہ ڈالے، میری ہڈیاں گنے
کوئی ڈر مجھے مار نہیں سکتا
آنے والی ایک نسل، مجھے یاد کرے گی
محبت کی بندگی کرے گی

دانتوں میں جکڑے لفظ

تمہارے دانتوں میں کئی لفظ
جکڑے ہیں، جن کو
لبوں تک لانے کی تم میں کچھ طاقت نہیں
تم چاہتے تو اپنا پانی کا برتن توڑ سکتے تھے،
سگریٹ سلگا کر، بھڑاس نکال سکتے تھے،
ڈیڑھ آنکھ والے، دوست سے آنکھ ملا سکتے تھے
روڑی کے ڈھیر پر بیٹھ کر،
احتجاج ریکارڈ کرا سکتے تھے
اپنے ساتھ ایک آسیب باندھ کر،
اوپری منزل سے چھلانگ لگا سکتے تھے
لیکن تم نے توریت کے میدان میں
بیٹھ کر، ساری باتیں دفن کر دیں
سمندر کی تہہ میں بیٹھے،
موتی بننے کی آرزو میں اپنی جان گنوائی
ریت سے نکلنے والی ہڈیاں،
فاسفورس بنتی ہیں، جو
چمک ضرور دیتی ہیں،
موتی نہیں بنتیں

دن پھل کی کھجور

یہ جو نوجوان اڑتے پھر پھڑاتے پھرتے ہیں
نہیں جانتے کہ کل ان پر سخت آنے والا ہے
ان میں سے کچھ نوجوانی ہی میں
سڑک کے کسی حادثے میں مرنے والے ہیں
بعض اوائل عمری ہی میں شوگر بلڈ پریشر میں گرفتار ہو کر
جیبوں میں گولیاں رکھنے والے ہیں،
پرہیزی کھانے کھاتے ادھیڑ عمری تک پہنچنے والے
گھٹنوں اور جوڑوں کے درد کا شکار ہو جائیں گے
عمر کے ڈھلتے ہی گردے مثانے کی پتھریاں کچھ کے
بدنوں میں گھات لگا کر بیٹھی ہوں گی
دردِ زہ سہنے والی، عورتیں، لڑکیاں
دوران زچگی داعی اجل کو لبیک کہیں گی
بچ جانے والی عورتوں کے پیٹ میں
کچھ تو لیئے چھوڑ دیئے جائیں گے
انہیں ساری عمر گڑ ملا پانی پینا ہے
بر اکر پر زندگی گزارنی ہے
چالاک، مکار، دھوکے باز صحافیوں کی
خبروں پر اعتبار کرنا، ذہنی بیماریوں کا شکار ہونا ہے
ایسے تمام لوگ جوان جھنجھٹوں سے بچ نکلے
ان کے بستر برآمدوں میں لگائے جائیں گے
ہم ایسی کھجوروں پر اُگے ہیں، جن پر کبھی پھل نہیں آتا

فیس بک

تصویر میں بیٹھے لوگوں کی عمریں نہیں بڑھتیں
میرے شناختی کارڈ کے کوائف کو
زنگ لگ گیا ہے
میری بوڑھی ماں مصر ہے کہ وہ خضاب لگائے گی
سیاستدانوں کو لکھنے کے لیئے ایک ہی منشور ملتا ہے
ڈاکٹر روتگنٹے کھڑے کر کے آپریشن کرتے ہیں،
صحافیوں نے اس ملک کے ہر شہری کے ساتھ زنا کیا ہے
فوج کو ٹھیکری پہرے پر لگا دو، انہیں
یونیفارم پہن کر کالونیاں بنانے کی اجازت دینے والے سردار
ریمنڈ ڈیوس اینڈ کمپنی کو ویزے جاری کرتے ہیں
چاہتے ہیں وہ اس ملک کی حفاظت کریں،
اتنا واویلا کرنے کی کیا ضرورت ہے،
میموگیٹ سکینڈل کوئی پہلا سکینڈل تو نہیں
ملکی سرمائے کے سکینڈل کھڑے کرنے والوں کا
تم نے کیا اکھاڑ لیا ہے،
شوہروں کا قورمہ پکانے والی عورتوں کے لئے
تیزاب کی بوتلیں جیب میں رکھو
جس کے لیئے کوئی سٹیج ہی نہ بچی ہو
وہ مسخرا کیا کام دکھائے گا
آؤ فیس بک کو اپ ڈیٹ کرتے ہیں

قہر سے زہر تک

بیمار ماؤں کے کالے تھنوں سے لٹکتے ہڈیوں کے ڈھانچے
آسمان کو دیکھتے رہتے ہیں مگر انہیں
کچھ کہنا نہیں آتا
ان کے ماں باپ نے دیہاڑیوں سے فاقے کشید کر کے
پیہم جام کی اوڑھنی، اوڑھ لی ہے
ان کی بستیوں میں روز، بھوک کا رقص ہوتا ہے
ان کے سروں سے رزق کے فرشتے روزانہ گزرتے ہیں
مگر انہیں رزق مانگنے کی کوئی دعا یاد نہیں
یہ سناٹا پہنے، خشک ہونٹوں سے کسی اور کو پکارتے ہیں
ان کا خدا ہی ٹھیک نہیں تو من و سلوٰی کہاں سے اترے
وباؤں، بلاؤں، ایذاؤں کے خوف جانے کن کن راستوں سے
ان کے خون میں سرایت کر گئے ہیں
ان کا سفر بھوک، پھر قریب المرگ سے ہو کر عین مرگ پر
ختم ہوتا ہے
یہاں کی ویران بستیوں میں صرف سوچ کے پرندے
اڑانیں بھرتے ہیں، یہاں،
جھوٹ زمین سے اڑ کر سچ کے آسمان سے ٹکراتا ہے،
پاش پاش ہو جاتا ہے،
تیری بستیوں سے دور، درختوں سے بھرے جنگلوں میں
تیرے قہر کے بعد تیرے زہر کا انتظار کرتے ہیں

میری نظم

میری جیب میں ایک نظم ہے

میں اسے کہیں سے چرا کر لایا ہوں

مالِ غنیمت کو سرِ عام دیکھنا ممکن نہیں،

تھوڑا سا فاصلہ اور گذر جائے تو اسے

کسی درخت پر ٹانگ کر دیکھوں گا،

یا پھر کسی چشمے کے کنارے بچھا کر،

اس پر لیٹوں گا

وہ چوری کے مال کی طرح میرے اندر پڑی ہے

لیکن میرے الفاظ، اس کے ساتھ

کھلواڑ کر رہے ہیں، اور وہ بے چاری

ادھر ادھر کھسکتی ہے، پھسلتی ہے،

اس کو جائے نماز کے نیچے رکھ کر بھی،

مجھے یقین نہیں کہ اسے کوئی چرائے گا نہیں

یہ تو تکیے کے نیچے بھی محفوظ نہیں

صبح سار میرے حافظے سے نکل بھاگے گی

ایک لمحے کو خیال آتا ہے کہ میں اسے

بیوی کے پستان میں چھپا دوں جہاں وہ

چھوٹی ریزگاری رکھتی ہے، مگر سوتنیں کہاں بھاتی ہیں

یا پھر اسے بک شیلف میں بڑی کتب کے پیچھے بھی
چھپایا جاسکتا ہے
کیوں نہ میں اسے ہتھیلی پر دھر کر، اس کا
رقص دیکھوں، بڑے عرصے سے میں نے
کوئی رقص نہیں دیکھا
تھوڑا سا آگے بڑھ جاؤں تو وہاں
گوشت کی ایک دوکان ہے،
ننگی چیزوں کو
دیکھنے کی یہ ایک بہترین جگہ ہے
اچھا ہے میں اسے فریدہ کے اوپری برآمدے میں
کھڑا کر کے، دور سے اشارے کروں، لیکن
کھڑکیوں جھروکوں سے تاکنے کا زمانہ چلا گیا
اب تو سڑکوں پر ہی ملاقاتیں ہو جاتی ہیں
اور کوئی ڈر بھی نہیں
شائید میں کسی سے خوفزدہ ہوں،
ابھی، اسی وقت
میں اسے نکال کر دیکھ لیتا ہوں،
لیکن میری جیب تو خالی ہے، میری وہ نظم
کہیں راستے میں گر گئی ہے

پگڑی

سورج نے میرے بدن کو جس جس جگہ چوما

وہاں آبلے پڑ گئے تھے

اس دنیا میں سورج کا نظام ختم ہونا چاہیئے

یہ سورج بڑا کمینہ ہے، شام کو کہیں منہ کالا کر جاتا ہے

دیشیا ئیں اس کی تقلید میں اپنا منہ کالا کرنے کو نکلتی ہیں

اندھیرے ہیں، میری راکھ سے خمیر اٹھتا ہے

خمیر کے جرثومے، عدسے سے دیکھے جا سکتے ہیں

رات کی مقدس خاموشی، جب گھاؤ لیئے

میرے بدن سے

ریل گاڑی کی طرح ٹھک ٹھک بجاتی

گذرتی ہے تو اس کے ساتھ

وہ عورت، جس نے رات انجن کے ساتھ بسر کی

اب اس کا ڈبہ بنی، سرپٹ لائن پر دوڑ رہی ہے

ہر صبح میری سفاک آنکھیں،

باہر کو ابلی پڑتی ہیں

لیکن میں ایک کلف لگی سفید پگڑی پہن کر

ان کی ہیجان سے بھری راتوں کو معاف کرتا ہوں

روزی روٹی، پگڑی پہننے کے خلاف نہیں

قہقہے اور چیونٹیاں

میرے وارثوں نے، میری آنکھیں واپس لے لی ہیں
کہتے ہیں، تم میڈیکل سٹور کی ساری دوائیاں کھا گئے ہو
محبت کو منزل سمجھے رہے ہو، تمہیں نئے سرے سے بنانا ہوگا
تمہیں ایک دن کے لئے، آئینے سے آزاد کر دیا جائے گا
اس روز تم پچھلی زندگی کو فلمی یاداشت کی طرح بھول جاؤ گے
تمہیں مذہب میں نہلا کر تمہارے کفن کی رسمیں
ادا کر دی جائیں گے۔
تمہاری بے خبری میں تمہیں شاہرہ دستور سے گذارا جائے گا
اس روز تمہیں ایک چیخ کی ضرورت ہوگی لیکن وہ
شام کا وقت ہوگا، اور ہفتے کا دن
تم پر سے گذرتی ہوا، تمہارے کپڑے آہستہ آہستہ صلیب بن کر
لہراتی رہے گی۔
ایک چور تمہارے کفن سے تمہارا پرس نکال کر
تمہارے وعدے چرا لے گا
وہ سب سے علیحدہ ہو کر، تمہاری ڈائری میں لکھے
فون نمبر پر کال کر کے، سب اچھا کی اطلاع دیگا
چیونٹیاں تمہارے اردگرد، آیات پڑھتی چل رہی ہوں گی
بڑی عمارت کے گذرتے ہی قہقہے اور چیونٹیاں
آپس میں گڈمڈ ہو جائیں گے

آدھا چاند

وہ لڑکی کہاں ہے، جو چاند رات کو
آسمان کی طرف پرواز کر گئی تھی
تمہیں اس کی مسکراہٹ کا ذکر کرنا چاہیے تھا
درختوں کے لمبے سایوں میں ہلاک ہوا شخص
ابھی تک شاخ پر لیٹا ہے
تم نے اگر یہاں سے نیلے آسمان کا فاصلہ ناپا
تو وقت سے پہلے رات ہو جائے گی
کالے ناگ کو دودھ میں نہلا کر شکتی پائی جا سکتی ہے
ہڑپہ کے آثار سے کپڑے نکالے جا سکتے ہیں،
آنے والے زمانوں کے بچوں کا ذکر نہ کرو، اس سے تمہیں ڈر آنے لگے گا
جنہیں تم عجیب الخلقت کہتے ہو، مستقبل کی اشکال میں
شکلوں کی جیومیٹری بدلنے میں کتنی دیر لگتی ہے،
ایک لٹل ماسٹر کافی ہوتا ہے
سپنوں کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہونے والے خواب
اس مال کی طرح خراب ہیں جنہیں سمندری پانی نے نمکین کر دیا
بچوں کی کہانیاں لکھنا، مٹی پر دوڑنا نہیں،
آنکھوں کی دوربین لگا کر تم مستقبل میں چھلانگ لگا سکتے ہو
کیا تم تمباکو پی کر، ایک خوبصورت عورت ایجاد کر سکتے ہو
جب تم مستقبل کی تاریخ لکھو تو میرا نام یاد رکھنا
بستر کی اجلی چادر پر ایک چوڑی ٹوٹی پڑی ہے
اس کی شکل آدھے چاند سے ملتی ہے

رقص زور شور سے جاری ہے

ہمارے کتوں کی سانپوں کے ساتھ دوستی ہے
ہر بار ان کا پرائز بونڈ نکل آتا ہے
ان کی اپوزیشن فرینڈلی ہے
ڈھٹائی اور بے غیرتی کے ساتھ
یہ گروہوں میں زندگی بسر کر رہے ہیں
ان کے دانت تیز دھار اور زہریلے ہیں
کوئی سانپ گزیدہ ہو کہ سگ گزیدہ
اس سے کیا فرق پڑتا ہے
دونوں اپنے اپنے راستوں پر ہمیں
ہراساں رکھتے ہیں
ہر کتا بنیادی طور پر بھیڑیا اور سانپ
بنیادی طور پر اژدھا ہی ہوتا ہے
کبھی کبھار ہم ان کو بوٹوں سے
اپنے انتقام کا نشانہ بناتے ہیں لیکن
ان کی نسل تو وراثت کا ایک لمبا سلسلہ ہے
یہ جتنے بھی نجس اور ناپاک ہیں
ان کے حمائتی رہزن ٹھگ اور ڈکیت ہیں
ہمارے گرد ان کا گروہی رقص
زور و شور سے جاری ہے

ہمیں فارغ کردو

تم مرتی ہوئی چھاؤں سے گواہی مانگتے ہو
اس وقت تم کہاں تھے جب ہماری لاشیں
جلتی ہوئی زمین پر دھجیاں بن کر گر رہی تھیں
ہماری میتوں کو حادثہ قرار دے کر، تم اس وقت جاگتے ہو
جب ہمارے پیدا کرنے والوں کے پاس ہمارے چھیتھڑے بھی نہیں ہوتے
بعد از مرگ ایوارڈ اور ہماری قبروں پر پھولوں کے دائرے چڑھانے والو
تم ہمیں سازشی اور غیر محب وطن کہتے ہو
تمہاری زبانیں اس قابل ہیں کہ کاٹ کر پھینک دی جائیں
تمہارے پلے محب وطن ہونے کا ایک آدھ سرٹیفیکٹ تو ہوگا!
تم ہمیں تھوڑی سی تنخواہ اور ایک ایک پلاٹ دے کر
ہمارا مقابلہ ان سے کرتے ہو جو سارے رقبوں کے مالک ہیں
بے غیرتی کے اماموہ، ہم تمہارے مزارعے نہیں، جن معصوموں کی
عورتوں، بچوں کو تم نے یرغمال بنا رکھا ہے
اس دن سے ڈرو جب یہ جاگ پڑیں گے
یہ وطن کی حفاظت تو کریں گے، تمہارے گھروں کی گندگی نہیں دھوئیں گے
جن لوگوں کو، چوکیداری پر مامور کیا گیا ہو، اپنے مالکوں کے خلاف
سازشیں نہیں کیا کرتے، ان کی نیند کا خیال رکھتے ہیں
جس دن ہم نے تم پر سے ہاتھ اٹھا لیا
تمہیں چیلیں اور گدھ نوچ لیں گے
تم چاہو تو اپنی سرحدوں کی حفاظت بھی ریمنڈ ڈیوس کو دے کر
ہمیں فارغ کردو

خوف کا چہرہ

ہم نے روٹیوں کی خوشبو کو اپنی رانوں پر مل لیا ہے
خواب میں آنے والا من وسلویٰ خمیر کھا گیا
اداسیوں اور مجبوریوں کو چگنے والی چڑیاں اڑ گئیں
سردیوں کی بارش قطرہ قطرہ رتجگا بنائے رکھتی ہے
امنگوں کا مکان، تعمیر کے دوران، ملبے کا ڈھیر بنا
تم نومولودوں کے نوحے پڑھتے ہو،
یہاں ساری کی ساری آتشیں، بستیاں خاک ہوئیں
کیتلی میں زنگ آلود پانی پھڑ پھڑاتا ہے،
دانتوں میں پھنسے الفاظ، جکڑ بند سے آزاد نہیں ہوتے
ان دھلے کپڑوں کو دھوپ سے دھونے کا رواج پڑ گیا ہے
میز پر سلائیسوں کے خشک ٹکڑے،
پانی کے آدھے بھرے گلاسوں میں ڈبو سکتے ہیں
ہماری بیویوں کو طلاق دینے میں،
صرف تین دن باقی ہیں،
خوف کا چہرہ، ہمارا قومی پرچم ہے
زمین پر گرتے سروں کے انبار دیکھ کر
ہر بار، آسمان سے فریاد نہ کرو،
سب کچھ
اس کی مرضی سے ہو رہا ہے

نور کی بارش والی راتیں

ہم اپنے اپنے آتش دانوں کو پہن کر سفر کرتے ہیں
سکھوں نے ہمارے دن چرا لئے ہیں،
اوڑھنیاں اب سایہ نہیں کرتیں،
درختوں کی شاخیں اجڑ کر ٹہنیاں بن گئی ہیں،
ہم ہیں کے جئے جاتے ہیں،
ہماری سانپوں سے دوستی ہے،
ہم ہماری جیبوں میں سنپولئے رکھتے ہیں
نور کی بارش والی راتوں میں،
سانپ دودھ پر ٹوٹ پڑتے ہیں
تم تو میرا جسم ریل کی پٹڑی پر رکھ کر چلے گئے تھے
انجن مگر پٹڑی بدل کر دوسری جانب نکل گیا
میں اپنی بیوہ کے نوحے سننے کے شوق میں نکلا تو
گھر کا رستہ بھول گیا،
ایک جگہ پٹھان نے میرے بچے، دیوار پر ٹانگ رکھے تھے
قالینوں کی الٹی جانب اون سے میرا نام لکھا تھا
چڑیلوں کو حیاء نہیں ہوتی، جہاں جگہ دیکھتی ہیں،
پیشاب کر دیتی ہیں،
سارے مندروں میں گائے کا گوشت، خفیہ کمروں میں پکتا ہے
ہم اناڑی ہیں جو اپنے کرتوت لئے، سڑکوں پر نکل آتے ہیں
چلو قبروں سے دو، دیکھنے والی،
زندہ آنکھیں لے کر آتے ہیں

بند آواز میں بولتے

قبروں کے کتبے،

بند آوازوں میں بولتے ہیں،

میرے پاؤں کی گرد میں

ایک لمبی مسافت لٹکی ہے

میری محبت کی جو عصمت دری کی گئی،

میں اس کا حساب چکانے آیا ہوں

پاکیزہ، شفاف، مریم، محبت

آج تک پیاسی زمین پر بھٹکتی ہے

میں اس دور کی تمام پیچیدگیاں اور تضاد

دفن کر دوں گا

میں تمہارے بطن سے جنم لینے والے مردہ فلسفے کا

اکلوتا وارث آن بچا ہوں،

لگتا ہے میرے ہی پاس

ایک سو پشتوں سے ڈونچی کوڈ ہے

میں اسے تمہاری قبر میں دفنا کر،

آج بند آواز میں بولتے

تمہارے ساتھ لیٹ جاؤں گا

حکمران

اگرچہ مجھے سڑک کی ایک آوارہ کتیا نے

جنم دیا تھا مگر میرا باپ

ایک اعلیٰ نسل سے تعلق رکھتا تھا،

کچھ عرصہ لوگ مجھے ایک رنڈی کی اولاد کہہ کر

پکارتے رہے، پھر رفتہ رفتہ وہ اس بات کو بھول گئے

میرے بدن میں کیونکہ ایک اعلیٰ نسل کا خون تھا

اس لئے میری بھونک بڑی زوردار اور تنومند تھی

میری ٹریننگ کے لئے بہترین استاد مامور کئے گئے

کبھی آپ نے گلیوں میں کتوں کو مجلس کرتے یا پھر

چوکوں پر مباحثہ کرتے دیکھا ہے

وہ کس قدر مدلل گفتگو کرتے ہیں، اور جہاں ضروری ہو

اپنی دھاڑ سے اپنی دھاک بٹھا سکتے ہیں،

میں نے لوگوں کے دوبدو اور روبرو

کئی بحثی مقابلے جیتے ہیں

میرے استادوں نے بتایا تھا کہ مقابلے کے وقت

کوئی کتنا ہی اچھا بھونکے اُسے دوسرے کی مت سننے دو

ان مقابلوں میں کتے ایک دوسرے پر چھوڑ کر کچھ لوگ

لمبی لمبی رقمیں کماتے ہیں۔
ان کو بھی اب بڑے اور عظیم الشان گھروں میں رہنے کا
چسکہ پڑ گیا ہے
جو کوئی بھی مجھے پروگرام میں مدعو کرتا ہے اُسے
زیادہ نمبر ملتے ہیں حالانکہ میں خود
جمہوریت کا گریجوایٹ ہوں
لیاقت کے لئے کسی ڈگری کی ضرورت نہیں ہوتی
اس کے لئے خاندانی طور پر نستعلیق ہونا ضروری ہے،
اگر الیف اے پاس مجھ سے زیادہ تعلیم یافتہ ہیں، تو کیا ہوا
ان کے پاس مال، جاہ اور حشمت نہیں ہے
ٹکے ٹکے کے پلاٹوں پر بکنے والے کا
عرب شیوخ سے کوئی موازنہ نہیں
اب تو ہر قسم کی چیزوں کے شناختی کارڈ بننے لگے ہیں
تو میری خاندانیت پر بھروسہ کیوں نہیں کرتے
ہمیں نظام کے چوکیدار اور پہرے دار سمجھنے والے
اب ہوش کا ناخن لیں، جان لیں ہم
تمارے مالک ہیں، آقا ہیں،
پچھلی تین نسلوں سے تم پہ حکمران ہیں

مہمل باتوں کی یلغار

سرخ لبوں نے اسم اعظم سے، جہاز کا ملبہ

کہیں جگہ نہ پاکر، بوڑھی سوچ میں غرق کر دیا

مہمل اشعار، اشتعال انگیزی کے مرتکب پائے گئے

لڑکی کی عمر تو بس سولہ برس تھی، زمین کو چھوتے ہی

اسکے بالوں نے سفیدی پکڑ لی،

بائیسویں آیت تک طریقت نبھانا آسان تھا

اس کے بعد کی منزلیں مجھ پر کبھی آسان نہ ہوئیں

کمرے کی دیواروں سے ناگنیں لپٹی تھیں حالانکہ

ساتھ بہتا دریا مردہ پڑا تھا، ریت کی آنکھیں

کفن کی صورت، آسمان پر ٹنگی تھیں،

آخرت کے مسافر کی گردن کیوں اکڑی ہے

اس نے اپنی بوئی ہوئی فصلیں،

ہاتھوں سمیت ہم پر تھوپ دی ہیں

ادھورے عہد میں، تشکیک کی کثرت تھی،

اس کثرت کو وحدت میں بدلنے کا طریقہ رائج ہی نہیں ہوا

عصری مسائل سے جنم لینے والی

پریشانیوں کو زندہ چھوڑ دیا گیا

اب میری آنکھیں ہینگر پر ٹنگی ہیں

وقت نے مشاورت کے سارے دروازے بند کر کے،

زبانوں پر تالے لگا کر،

چوکوں پر ٹانگ دیئے ہیں

پولیس سارجنٹ اب مذہبی آئیتیں جیب میں ڈال کر

حفاظت کے لئے انہیں رشوت کی جیب سے الگ رکھتے ہیں

بھاپ کا سورج، طلوع ہونے سے پہلے مر جاتا ہے

نو خیز لونڈے نے ڈرائیور کے ساتھ جگہ بنالی

دائرہ حیات، مخصوص جنموں کا بیان نہیں

عجائب گھر کا تصور بہت پرانا ہے،

ظالم وقت کا ریلا، ایک ریلا نہیں، اس نے

خاموشی کا تعویز دائیں بازو پر باندھ رکھا ہے

دائیں ہاتھ کا فرشتہ صرف نیکیاں لکھتا ہے

بربادیوں کے جذبے نا آسودہ تھے، کسی نے لکھے ہی نہیں

میری باری تو زچگی کا غبارہ پھٹنے میں بھی

بڑی دیر لگی تھی۔

سانسوں کے ایک طویل سفر نے مجھے کیا دیا،

مشکل سے شروع ہونے والا سفر،

مشکل پر ہی ختم ہوا۔

یادگار

شہر کے دروازوں پر، مالک نے اپنی گمشدگی کا اشتہار لگا رکھا ہے
سب لوگ اپنے دکھ، اپنی جیبوں میں بھر کر دروازوں پر لٹک گئے ہیں،
میرے بوسیدہ پیلے دانتوں اور سیاہ ہونٹوں پر
کوئی شخص توجہ دینے کو تیار نہیں،
چوک پر ملنے والے لوگ، آنکھ چرا کر، کھسک لیتے ہیں
مجھے لگتا ہے، میں اپنے زوال کے ساتھ چل رہا ہوں
کوئی میرے اردگرد ناچتی دہشت اور تخریب کاری کا
برہنہ ناچ دیکھنے پر آمادہ نہیں ہوا،
ہیگل، مارکس، لینن نے معاشی جدوجہد کا دائرہ
اتنا وسیع کر دیا کہ میری ذاتی شخصیت کا تشخص خطرے میں پڑ گیا
زندہ رہنے کی چاہ میں، میں نے اپنے ہی جسم سے ایندھن کا کام لیا
مجھے تین اجنبی ملنے آئے تھے مگر میں مکان کے تالے کھولنے میں مشغول رہا
میری دیواروں سے چپکے اشتہار، ہوا کے زور سے
جانکنی کے عالم میں پھڑ پھڑاتے ہیں،
آدھی رات کو جب سرخ رنگ کی بارش ہوتی ہے،
سانپ شوکتے ہیں، ڈائنیں چلاتی ہے، روحیں قبرستان میں لیٹ کر گذرتی ہیں
زندہ لوگ دیوار یا کراس پر لٹکائے جاتے ہیں تو ان کی تاریخ، خدا لکھتا ہے
ایک زمانے میں میری حیوانات سے محبت بہت بڑھ گئی تھی لیکن
تابوت میں لیٹے پانی کے ساتھ تنہائی نے بھی سونا پسند نہ کیا
عیار سامری، میرے اشتہار گمشدگی کو پتھر سے بدل کر،
میری یادگار بنا گئے ہیں

اصول

مجھے سرخ کاربالک سوپ سے بڑی نفرت تھی،
غلیظ اور سیاہ تولیوں سے میری جان جاتی تھی،
گرمیوں میں بھی مجھے، ٹھنڈے پانی سے نہانا نہیں بھاتا تھا
ربڑ کی قینچی چپلیں، میرا دل زمین پر ٹپخ دیتی تھیں،
مجھے قمیض کے نیچے پھٹی بنیان پہننے میں، شدید
کوفت کا سامنا رہتا تھا،
پچھلی رات کا بچا، فریج میں پڑا کھانا،
میری جان نکال لیتا تھا
جس سیب پر کالا داغ لگ گیا یا جو کیلا چتی کھا گیا
ان سے مجھے گھن آتی تھی،
میں نے زندگی بھر کبھی سرسوں کا تیل، سر میں نہیں لگایا،
ادھر ادھر بکھری چیزیں میرا پارا آسمان پر چڑھا دیتی تھیں
فرج کا کھلا دروازہ اور پلنگ پر پڑے کپڑے
میرے دماغ پر ہتھوڑیاں برساتے تھے،
کیاریوں کی جھاڑیاں اور بے ترتیب پودے،
نفرت کو آگ میں بدل دیتے تھے،
یہ میرا اور یہ تمہارا، بڑی واضح تفریق و انصاف کے ساتھ
قائم تھا، مگر اب
اس کمرے کا تعفن، تیل میں چپڑی چادر، ادھر ادھر بکھرے کپڑے
ہر طرف پھیلی بے ترتیبی
پلنگ پر دراز جسم کی آڑ میں گم ہو گئے ہیں،

خالی ہاتھ

اپنے ہاتھ خالی کر دو، آؤ بیٹھ کر آگ تاپتے ہیں،
جلانے والی کشتیاں، ٹکڑے ٹکڑے کر کے آگ بُرد کرتے ہیں،
آج کا سورج خوف کے شہر پر طلوع ہوا
موقع غنیمت ہے، گلتی ہوئی یادوں کو آتش دان میں پھینک کر،
سڑاند کو موت کے حوالے کر دیتے ہیں
بگٹٹ دوڑتے گھوڑوں پر سوار، اپنی اپنی کہانیاں
اپنے اپنے سیدھے ہاتھ پر رکھ لو،
ان کی گھور جڑوں کو
ان کی فصلوں کے ساتھ، نذرِ آتش کرتے ہیں،
ہمارے جذبوں کی حدّت بڑھ چکی ہے،
آنکھیں باہر نکل آئی ہیں
منہ زور جذبے بانجھ پڑ گئے ہیں،
دھوئیں کا سائبان ہٹا کر، انہیں تپا کر،
دستِ دُعا سے ایک اور یوم بے انجام کی دُعا کرو
سائے تمہیں آج اور کل میں بانٹنے والے ہیں،
جو کچھ تمہاری انا کی پوٹلیوں میں آن بچا ہے،
انہیں، جھوٹ کمانے والی آنکھوں کے ساتھ
آگ میں جھونک دیتے ہیں۔

لفظوں کی زبانیں دراز ہیں

روشنی اس قدر اندھی تھی کہ

سمندر نے اُسے زمیں کنارے پٹخ دیا

بے نیازی کا کوئی آغاز نہیں ہوتا/ ہوتا بھی تو

ذات کی سرحدوں پر ٹوٹ کر گر چکا ہوتا

دل کے دروازے، کھُل نہیں پاتے

آئینے کوئی رنگ نہیں لاتے/ کون انہیں بدل گیا ہے

ہمارا اس کائنات میں کوئی دوست نہیں

زندگی تو دشمنی کی بنیادوں پر استوار ہے/ اتر جاؤ

کوئی مجھے آواز بھی دے تو سنائی نہیں دیتا

اندر کی بارشیں سُرخ اور موسلا دھار ہوتی ہیں،

آگ سے مرنے والے، کبھی زندگی نہیں کھوتے

انہیں جلنے کے لئے ہمیشہ وہیں رہنا ہے

دنیا میں سنی سنائی باتیں، شعبدہ بازوں نے پھیلائی ہیں،

زندہ لوگوں کی اکثریت تو کب کی مر چکی

مرے ہوؤں کی گنتی میں،

کئی لوگ زندہ نکل آئے ہیں

جن مکانوں کو مکینوں نے خالی کر دیا تھا

ان پر ریت کے دریا، لیٹ گئے ہیں،

لفظوں کی زبانیں دراز ہیں۔

تمام قبریں ایک سی ہوتی ہیں

صرف ایک دیوار کا فاصلہ تھا،
میں نے کوشش کر کے، درمیان کی دیوار ہٹا دی
وہاں مٹی کے سوا کچھ نہیں تھا، تمام قبریں ایک سی ہوتی ہیں
عورت، شاعری کی طرح، پورا آدمی مانگتی ہے، مگر
میں تو اپنی شناخت کھو چکا تھا، ادھورا،
کوئی شخص اپنی بات کہنے پر قادر نہیں،
اُسے لفظوں نے جکڑ رکھا ہے
وہ کہنا کچھ اور چاہتا ہے،
لفظ اُسے گھیر کر کہیں اور لے جاتے ہیں۔
سننے والے کے شعور کے آگے بھی
کئی دیواریں کھڑی رہتی ہیں،
مفہوم سمجھنے میں کئی الفاظ،
اپنی معنویت، افادیت کھو دیتے ہیں/
کون جانے کیا کہا گیا اور کیا سمجھا گیا/
غلط فہمیاں ارادوں کو شکست دیتی ہیں،
تیغ الہ آبادی کی سامراجی جبریت کے خلاف بغاوت کا
خطابتی انداز، اپنی موت آپ مر گیا،
اس کا ہم شکل، پورا آدمی تھا، دو دفعہ مارا گیا
پھندے لگانے والی رسیاں، وہ خود خرید کر لایا تھا
اب مٹی کے سوا کچھ نہیں، تمام قبریں ایک سی ہوتی ہیں

جھیل کنارے

جھیل کے کنارے نہ بیٹھا کرو، اس سے
تم بار بار خود سے بچھڑتے رہو گے
کبھی پانی میں سسکتی لاشوں کو کندھا دینا پڑتا ہے
کبھی دھنک بھرا بدن حالت غسل میں نکل آتا ہے
کبھی قد بڑھاتے عفریت تم پر سایہ کر دیں گے
کبھی گہری کھائیاں لڑھکتے ہوئے تمہیں ٹھوکر ماریں گی
کبھی لمبے ہفتے کا ویک اینڈ تمہیں تھام کر
پرل کانٹی ننٹل لے جائے گا جہاں کمرہ #211 تمہیں ننگا دیکھے گا
دھوکے میں نہ رہنا کبھی کبھی یہ ہاتھ پکڑ کر
شہر کی تاریک سڑکوں سے ہوتا ہوا اندھی گلیوں میں لے جائیگا
کلثوم کے بچے سو چکے ہوں گے پھر بھی وہ تمہیں بٹھائے گی نہیں
کسی خواب میں بھرے لعل و جواہر کے طشت، اگلی صبح
نوکری کی تلاش میں بہت ذلیل و خوار کریں گے
پورب پچھم کی ہواؤں والی ساری سہیلیاں
کسی روانہ ہوتی گاڑی کے انجن میں گھس کے بیٹھ جائیں گی
اس تنہائی میں شائد ایک آدھ بدن ہی کے خطوط نظر آئیں
باقی باتیں تو نا آسودہ سفر کی ادھوری داستانیں ہیں
اچھا ہوگا، بہشت میں جانے کی آرزو کو فرضی سمجھو،
جھیل کنارے، جانے کو جب دل کرے، اکیلے نہ جانا

نیند کی عریانی

پانی بازو کھولے کھڑا ہے
نیند پہلو بدل بدل کر اسمیں نہاتی ہے
ستارے ان کی انکھیلیاں دیکھ کر مسکراتے ہیں
انہوں نے اس کی ننگی پسلیاں دیکھ لی ہیں،
وہ چاہتے ہیں کہ بدن عریاں ہوتے ہی، وہ
اڑ کران کے پاس آجائے
ان کی گود میں سر رکھ کر گہری نیند سو جائے
ستاروں نے پھولوں کا ایک روشن بستر بچھایا ہے
بہت سی پریاں لکھ کر تکیئے کے نیچے رکھ دی ہیں
وہ اس کے عریاں بازؤں کو رسماً چھو کر عقیدت کا
اظہار کریں گے،
قلابازی کھانے والے کبوترا
س کی آنکھ میں چھوڑیں گے
اس کو رخصت کرنے سے پہلے
اس کے ہونٹوں پر
ایک زہریلا بوسہ ثبت کریں گے، تاکہ
نیند سے جاگنے پر، تادیر،
اس پر نیند طاری رہے

مٹی نکال کر روح بھر دو

میری شریانوں سے سونا جو مٹی ہو چکا
نکال کر خوف کو راحت سے بدل دو
میرے ہر سانس کیساتھ جسم میں گھلتی
بے چینی، دہشت کو بڑھاوا دیتی رہی ہے
ان دوریوں نے میری آنکھوں میں وحشت بھر دی ہے
میرے اندر ہر لحہ نئے خوف اگتے رہے ہیں
کالی بلیاں بار بار، میرے سامنے سے گذر جاتی تھیں،
میں جتنی بھی آگ اپنے گھر سے لے کر نکلتا تھا
ادھر ادھر کے لوگ اڑا لے جاتے تھے
یہ آگ میری مادر زاد ہے لیکن عمر کے اس حصے میں
اس کو امن اور شانتی کا دورہ پڑ گیا ہے
اس کا لہجہ پہلے کبھی اتنا عاجز اور بوجھل نہیں رہا
اب اسے ہر صحن میں دہشت بچھی دکھائی پڑتی ہے
سوچ کی ٹہنی پر جھولتے ہوئے وہ 'کراس' میں بدل گئی ہے
تاریخ کے سارے اوراق اس نے پھاڑ کر پھینک دیئے ہیں
اسکے فرمودات میں کئی بار تحریف ہو چکی
ہزیمت کے آباد قریئے اب بھی پائندہ ہیں،
میں صدیوں کا تجربہ اپنے ساتھ باندھے پھرا کیا
میرے پاؤں آبلہ پا، دل شکستہ اور آنکھیں ویران ہیں،
میرے حصارِ بدن سے مٹی نکال کر، اس میں روح بھر دو

فریب کا نغمہ

بھاگتے، بھاری بھرکم لوہے کے
دانت توڑنے ممکن نہیں تھے،
وہ میرے سینے میں سرنگ بنا کر گذر گیا
ازلی سانس کی سیڑھیوں پر چڑھ کر
میں نے گوشت کے کچھ لوتھڑے پھر جمع کر لئے
جب میرے بازو شل ہو گئے تو مرد لوگ
تشت میں لعل و جواہر رکھ کر لے آئے
ان اطلسی جالیوں اور بدن کے حجابات کی
ایک نقرئی جھلک، پھٹا سینہ کیسے سیئے گی
شاخوں سے لہو اور پوروں سے رعشہ ٹپکتا ہے
سونے کے ذرّے اچھل اچھل کر زمین پر گرتے ہیں
چشمِ رویا کے سہارے کوئی کس طرح جیئے
وقت یکسوئی کے ساتھ صرف ماتم بناتا ہے
خوشبو کے مرغولے، جادوئی دنیا میں اڑتے ہیں،
میرے بازو تو ناپید ہیں، میرے بارے میں لکھا گیا نغمہ
میرے نزدیک ایک سر تال ہے، آہنگ ہے، فریب ہے۔

الجبرے کا حساب

میں نے جیبوں کو ٹٹول کر دیکھا

بار بار الٹ پلٹ کر جائزہ لیا،

الماری میں ٹنگے، سردیوں کے کوٹوں کو کھنگالا

مگر کوئی نوٹ، کوئی سکہ، شائد قسمت ہی میں نہیں تھا

آج کیا، ہمیشہ ہی نہیں تھا،

آج پھر دوستوں سے ملاقات نہ ہو سکے گی

مفت کی چائے سے بھی محروم رہنا ہوگا

پابند نظم، آزاد نظم اور نثری نظم کی تکرار

انشائیہ کا جواب مضمون سے جدا ہو کر بھی بے شکل رہنا،

نئی غزل کے محدود امکانات اور تحلیل ہوتے

افسانے کا تذکرہ، ناول، سفرنامے کی تعظیم

سب میرے خیالات کے بغیر گذر جائیگا

پے در پے تین چار پیالی چائے اور لفظوں کی ندرت کے ساتھ

پرانی تکرار کے چھ گھنٹے نہیں ہوں گے تو نیند کیسے آئے گی

میں نے سوچ لیا ہے کہ اس کے ساتھ، ایک شام کی چائے کے لئے

مہینہ کے انتیس دنوں کی نیند برباد کرنا، الجبرے کے حساب سے

کوئی مناسب فیصلہ نہیں

نئی ہجرت

تیری آمد و رفت اور اس سے لپٹی
تمام وارداتیں، میری آنکھ میں جم گئی ہیں
تیرے بازؤں کے مچھلیوں سے پیدا ہونے والی
ہوس گیری کے شور کا میں گواہ ہوں
رائیگانی کے قصے، بھوک افلاس سے پیدا
بے آبروئیوں کی کالی سانسیں،
گھاس پراگتی، خوف کی لہریں
کندھوں سے محروم، بے سہارا چیخ جنتی عورتیں
پے در پے نازل ہوتی، خون کی بارش
اثر، تاثیر، دوا، اور دعا کی اجڑی صورتیں
زمین زاد کا خون پیتی ہیں،
ماں جایوں کا نوحہ بڑھاتی، انصاف کی آندھی
آنکھ کی وحشتوں کا راستہ کاٹتی، کالی بلیاں
خاک زادے کی سیاہ بختی، اپنے جاہل تکلم کے ساتھ
سوچ کی ٹہنی پر لٹکتی، تاریخ کی سابقہ
ہجرتوں کے ورق پھاڑتی ہے،
نئی ہجرت لکھتی ہے

میری آنکھیں پھوڑ سکتے ہو

آؤ میرے جسم سے کھال اتار لو،

سفید چربی سے، جب خون کی باریک لکیریں

چل پڑیں تو مجھے، ایک درخت کے ساتھ

لٹکا دینا،

پھر یوں کرنا کہ چربی کی چھوٹی چھوٹی تہیں کاٹ کر

سامنے جمع ہو جانے والے، کتوں پر پھینک دینا

میں اپنے خون کی تاثیر دیکھنا چاہتا ہوں

چربی ختم ہو جائے تو میرے گردے کلیجی، اوجڑی سب

دو غریب اور نادار لوگوں میں بانٹ دینا

ایک وقت ہی سہی، کسی کا تو پیٹ بھرے گا

ابھی تمہاری نفرت کو موت نہیں آنی چاہیئے

تم میرا ایک ایک جوڑ کھول کر، ہڈیاں علیحدہ کر سکتے ہو

انہیں توڑ کر، ٹکڑوں میں تبدیل کر کے، کسی لنگر خانے کو بھجوانا،

عقل کے اندھوں کو گوشت، گوشت میں تمیز نہیں ہوتی

اب کوئی ماں، شائد ہی ایسا پوت جنے،

جو تمہارے جنون کی تکمیل کرے، تمہاری چاہت کردہ

دہشت کی جنت تعمیر کرے

میں نے سارا منظر، کشید کر لیا ہے، اب تم

میری آنکھیں پھوڑ سکتے ہو

بخشش

میں نے ہر طرف ٹٹول کر دیکھا
اس کی تو نبض ہی نہیں تھی،
ازل سے ابد کا کھٹکا اوڑھے
اجر سے خالی، موخر کی دلکش دھنوں کے ساتھ
دردوں کو، مرضوں کو، زاریوں کو
ہوا پر لکھتا، ایک فردِ عدل ہمارے گلوں میں لٹکا کر
باتوں کو ٹالتا، جوڑیوں کو توڑتا، مناجات اخباری
کاغذ پر لکھتا،
ایک مرتبہ جلوہ دیکھا کر،
لامکاں کی تہہ میں چھپ گیا ہے
ہم تو اپنی عرضیاں پکڑ کر،
فقط اس کے پیچھے بھاگتے ہیں
باتوں کی آڑ میں،
ملاقاتوں کے دن کا انتظار کرتے ہیں
ٹوٹتی، جڑتی باتیں، سب اس نے لکھ لی ہیں،
ہماری پژمردگی کے دن، چارٹ بنا کر،
ہمارے گلوں میں ڈال دیئے ہیں،
کہتے ہیں ایک دن وہ سب کچھ بھلا کر،
بخشش کو عام کرنے والا ہے

معلومات

حیرتوں کی انگلیاں تھامے
ایک ننگ دھڑنگ شخص
ہاتھ میں پتھر دبائے
لوگوں کے پیچھے بھاگتا ہے
یکایک رک کر کسی کے سر پر
ہاتھ رکھ دیتا ہے،
آشیرباد پانے والے کی لاٹری نکل آتی ہے
اس کے جسم میں، عجز، انکسار اور عقیدت کی
ایک لہر بھر جاتی ہے
مشہور ہے کہ اس کا پتھر کھانے والا
نہال ہو جاتا ہے
اس پر رزق کے دروازے کھل جاتے ہیں
رکی شادیاں ہو جاتی ہیں، قسمت کے بند دروازے
وا ہو جاتے ہیں،
اس کو ستانے والے کا گھر اجڑ جاتا ہے،
اس کے دروازوں کو دیمک چاٹ لیتی ہے
کچھ بے بسیاں، ایک طرف کا پلو بڑھا کر
اس کا دیدار کرتی ہیں
لڑکیاں، اس کے جنگلی بدن کا،
باریک بینی سے جائزہ لیتی ہیں،
معلومات پاتی ہیں

احترام

قبروں کی بستی میں، دفن ہونے والی داستانیں
مٹی کے ساتھ ہی، مٹی ہو جاتی ہیں
کاروکاری کرنے والوں کو دوسری قبروں سے
علیحدہ رکھا گیا ہے،
یہاں کڑا پہرہ ہے تا کہ یہاں
دفن ہونے والی کہانیاں،
کوئی چرا کر نہ لے جائے،
یہاں ایک چبوترہ ہے، جھونپڑی ہے، ہینڈ پمپ ہے
یہاں کا رکھوالا،
امام بھی ہے، نمازی بھی،
ساٹھ قبروں کی دیکھ بھال اس کے ذمہ ہے
قرآن سے شادی کرنے کے بعد،
اس کے گاؤں کی ایک دوشیزہ
گھر والوں کی نظر سے بچ کر بھاگ نکلی تھی،
اس کو آخری سانس کی اجازت،
اسی قبرستان میں دی گئی
بوڑھا، قرآن کیساتھ بھاگنے والی دوشیزہ کے احترام میں
یہاں کی دیکھ بھال کرتا ہے

کھینچ کر میرے وجود کو نکالو

میرے اندر پتھروں کے غار ہیں، گمی ہوئی گھاٹیاں ہیں
خوف سے بھرے اندھیرے ہیں، خواہشیں باولی ہو کر مرگئی ہیں
میرے چومے ہوئے اعضاء بھنبھوڑے ہوئے بازو
تھکا ہوا، اندھا نغمہ، ہول کے مستول پر گاتے ہیں
پتھروں کے غاروں میں، بدحال ساگر، ٹوٹ کر
سرگوشیاں کرتے ہیں۔
راہبوں کے لباس میں ملبوس، گہرا سناٹا،
تن اور درختوں کو چیر چیر کر نابود کرتا ہے
آسمان سے بھاری سفید بوجھ، ٹھاٹھیں مارتا چلتا ہے
ایک آتش فشاں اوپری پتھروں کو لڑھکاتا ہے،
جمود کی بنجر زمین میں پھوٹ پھوٹ کر روتا ہے
تمہارے جوتوں کے نشان، زمین پلٹ کر، بلندی پر ٹھہر گئے ہیں
مسافتیں اچانک ساکن ہو کر، بجلی کی کوند کو راستہ دیتی ہیں
کالے خون سے بھرے ہوئے، اس دل پر،
دُنیا بھر کے غم بوجھ بن کر، مجھے مکمل تنہا کر دیتے ہیں
نوکیلے ستاروں نے ایک، ایک کونا پکڑ کر، دھاریں بہانا شروع کر دی ہیں
میرے وجود کے اندر سے کھینچ کر میرے وجود کو نکالو، ورنہ
کل کے اخبار کی سُرخی، تم سب کے لئے بھیانک ہوگی

جبر کا ترجمہ

میں نے ابھی تک تمہاری بے چارگی کو ڈھانپنے کے لئے
چادر اور چار دیواری کا فرض
اپنے کندھوں پر لاد رکھا ہے
صدیوں کی تربیت نے،
میری عادت نہیں بدلی،
میں اس قبیلے کا سردار ہوں اور یہی بات
کم عقلوں کے ذہن سے نکل نہیں پائی
میں صدیوں سے بلاتخیر فطرت کے
اس عکس کا امین ہوں، جو
میرے اندر اور باہر
محیط ہے،
میں اپنی تاریخ کا مرقع ہوں جس نے خیال کو
جبلت پر حادی ہونے نہیں دیا،
میں اپنی مفتوحہ آبادیوں کو دیکھتا ہوں
میری خوشی کی دیواروں کے پیچھے
بے توقیری اور زندگی کا بحران
حریص خداؤں کا رشتہ دار
مزید جم کا بیٹھا ہے، مزید قربانی مانگتا ہے
جبر کا ترجمہ، محبت ہی کرتا ہے

الفاظ کی ہجرت

انسان کی زمینی زندگی کا دکھ لکھنے والے لوگ

اب بھی نہیں سمجھے کہ آخر لاکھوں انسان مظلوم کیوں ہیں

قربانیوں، انقلابوں اور تاج پوشیوں سے گذر کر بھی،

دلوں کی ویرانیاں پُر نہیں کر سکے

زمین کی مہلت بہت ناخوشگوار تھی، تسخیر رک رک کر چلی

زمینی سفرنامہ، دکھ کی شعوری برداشت کا نام تھا

لوگ اپنے پراسرار کرب کو آسودہ کرنے کیلئے

شعر، تاریخ، جنگ، اعتراف لکھتے رہے،

بدلتے دنوں کے سروں سے رگِ داستان کا ساز بجاتے رہے،

بادلوں کے ہجوم، زمین سے جاری کئے گئے،

جو دعاؤں، التجاؤں اور حکائتوں کے پھٹے بادبان تھے

ان مکتوبات کی تفہیم کبھی لکھی ہی نہیں گئی،

پیوندگی چادروں کا مفہوم، خاردار تاروں کے جال میں

دھواں چھوڑتی، ریریر، باتوں کے پلندے تھے

مظاہر و مخفیات سننے کے متمنی، بصری اور حسی ہنر مندی سے

محروم تھے، نئی سمتوں کی تلاش کہاں کرتے،

میرے پاس تو آسمان کی چند چادروں پر لکھے نوحے رقم ہیں

ان کے اندر پڑے الفاظ، نیم دائرے میں کسی جانب ہجرت کر گئے ہیں

ڈیتھ سیل

ایک والڈ کالونی کے اندر
دو گھروں کی سوسائٹی میں،
دو بہت ہی اکیلے آدمی،
رہائش پذیر تھے،
مخبوط الحواس، زبان سے عاری،
انہیں اشاروں کی زبان بھی بھول چکی تھی
وہ روزانہ سُرخ تتلیوں کو پکڑ کر،
سیاہ فرش کے نیچے دفن کر دیتے تھے،
رسی پر لٹکتے، گیلے کپڑے، ہوا سے سُکھاتے تھے
انہیں یاد نہیں تھا کہ آخری بار وہ کب
سکول گئے تھے،
روزانہ اپنی اپنی نظم کو ادھورا چھوڑ کر
لمبی نیند سو جاتے تھے،
ان کا سارا دن، سوتے سوتے گذر جاتا
جب رات کو ان کی زندگی کھو جاتی تو
اپنی اپنی عورت کے ساتھ
ہم بستری کرتے اور اگلی صبح
ان کی لاشیں، اپنے سیل میں دفنا دیتے

نیند کی گولی

نیند کی گولی، میرے منہ میں دبی ہے
مگر مجھے نیند سے ڈر آرہا ہے
یہ مجھے گھسیٹ کر، ایسی جگہ لے جائے گی، جہاں میں ہل بھی نہیں سکتا
پھر یوں بھی اس میں کوئی روشنی نہیں ہوگی جس کے
جھماکے سے دوبارہ آنکھ کھل سکے
مجھے خوف ہے میرے سوتے ہوئے، یہ سمندر کا نمکین پانی
میری ناک کی نالیوں سے، میرے معدے میں اتار دے گی
اس صحرا میں تو اژدھے رینگتے ہیں،
چڑیوں کا شور، بندوق کی گولیوں کی طرح پھیلتا ہے
میں نے اس سے پہلے بھی دیکھا تھا، کئی سال پہلے مجھے
اسی نیند میں دیمک کا ٹیکہ لگایا گیا تھا
میں نے جزیروں کی بدروحوں کو کالے سمندر میں
مچھلیاں پکڑتے دیکھا تھا
اس خواب میں کرچی کرچی چھلیڈے، بے سمت سفر میں
بھاگ رہے تھے، اڑ رہے تھے، دہلا رہے تھے
امکانات، اپنے خالی گلاس پکڑے،
خواب کی تحویل میں، مجھ دیوانے پر سیاہ رات کی
جادوئی ردا پھیلا کر، میری پھڑکتی لاش کو
صحراؤں کی وسعت میں دفنانے کے درپے تھے
اے مرضِ انسانیت کے چارہ ساز،
میرے منہ سے گولی نکال دے

رومال میں بندھی گرہ

برف نے راستہ بند کر کے مجھے
وقت سے پہلے اڑنے پر مجبور کر دیا ہے.
میں نے آسمان پر سوار ہو کر،
تم سے ملنے کا ارادہ کر لیا ہے
میرے ہونٹوں میں چھپا بوسہ
اس نونہال کا باپ ہے، جو
کل پیدا ہونے والا ہے
رومال میں بندھی گرہ،
اس یاداشت کا حوالہ ہے
جسے میں بھول سکتا ہوں
سفید درختوں پر اڑتے ہوئے، میں نے
اس بوسے کو اپنی چونچ میں دبا رکھا ہے
میں اپنا پوشیدہ گھونسلہ،
اپنے پاگل پن کی مٹھی سے آزاد کر کے
تمہارے دروازے پر ڈھیر کرنے والا ہوں
تم لالٹین کے سائے میں،
میرا وجود بٹھائے رکھنا،
میں اپنے بیٹے کے بڑا ہونے سے ذرا پہلے
لوٹ آؤں گا،

کون روک سکتا تھا

میں چلتے چلتے تھک چکا تھا

میرے قدم نیا راستہ بناتے بناتے کھو گئے تھے

سارے راستے دستکیں ہوتی رہیں

ہنگامے برستے رہے، خون کی نالیوں میں،

کیسی کیسی آوازیں، ڈراتی رہی ہیں،

دل ریت سے سونا چھاننے کی کوشش میں لگا رہا

جب کہیں کسی جگہ سے لوریوں کی آواز آئی

میں نے اسے راستہ بھٹکانے والی ڈائنوں کی چال سمجھا

کئی بار آواز آئی کہ ٹھہر جاؤ، آگے کوئی رستہ نہیں جاتا

مگر میری طلب نے کسی چھاؤں، اوٹ، تسلی کا سہارا نہیں لیا

تیرا چہرہ تو کسی جھیل میں تیرتا کنول تھا

میں نے اداس رت میں دل کا چراغ جلائے رکھا

فراستوں کا طلسم اُسے کیسے بجھا پاتا

میں نے تو اپنا دیا، دیوانگی سے جلایا تھا

قدموں سے لپٹے سائے، گھٹتے ہوئے حوصلے،

جڑے لفظوں کو توڑنے میں ناکام رہے

جب میں ٹھان لی کہ میں دیوار تعمیر کروں گا

تو ہاتھوں کا یہ سیلاب کو کون روک سکتا تھا

بارات مانگنے جاتے ہیں

ہم اپنے اندر خوف کی فوج لیئے

جہاد کرنے پر آمادہ ہیں،

صفِ دشمنوں کی طرف بڑھتے ہوئے،

دشمن کو چائے کی کیتلی کے گرد دیکھتے ہیں

وہ ہنس ہنس کر نڈھال ہو رہے ہیں،

ہمارا تمسخر اڑا رہے ہیں،

اس بازگشت کی تاب نہ لا کر

ہمارے اندر کے سپاہی، ہتھیار ڈال دیتے ہیں

مر جاتے ہیں،

وہ جو برسوں سے ہماری جانوں کے محافظ تھے،

ہم نے انہیں چن چن کر مار ڈالا،

ان کی جان کے ٹکڑوں کے میڈل سجا کر

کیتلی والوں کو داد دی، ہنسی کا سامان پیدا کیا

ہم میراثی ہیں، جگتیں کرنا ہمارا پیشہ ہے، ورثہ ہے

انہی دشمنوں کے گھروں میں ہم،

بارات مانگنے جاتے ہیں

کیفیت کا سفر

کینوس پر بنا سمندر تو

سوکھا سمندر ہے

سمندر تو پانی کا دوسرا نام ہے،

بھگوان کی تصویر بنا کر،

پوجا کس طرح مقبول ہوگی

سجدہ کرنا ہے تو اسے زندہ کھڑا کرو،

ورنہ سمندر تو سوکھا ہے، محض کینوس ہے

ترجمے والی نظمیں اس میں روح نہیں بھر سکتیں

وہ شاعر کا مزاج بدل دیتی ہیں،

اس کی ثقافتی حس انتقال کر جاتی ہے،

مترجم ایک نئی نظم تشکیل کرتا ہے جو

نہ تو شاعر کی ہوتی ہے، نہ ہی مترجم کی

یہ دو الگ شعری کیفیات ہیں

ہمارا خدا پتھر کی شکل میں ڈھلتے ہی،

خدا نہیں رہتا،

محض ایک کیفیت کا نام اوڑھ لیتا ہے

دو اور دو ہمیشہ ہی پانچ تھے۔

تماشا

زمین پر گرے جسم پر

کچھ اوس کھائے ہوئے لفافے

رکھے ہیں،

مرنے والا اپنی بھیگی یادوں کو

دھوپ میں رکھ کر سکھانا چاہتا تھا،

جب فنا کی چاپ اس کی جانب

بڑھ رہی تھی، اس نے صدر دروازہ کھول دیا،

تنکے تیرتے پانی والے کٹورے سے

آخری گھونٹ اپنے اندر انڈیل کر

اپنی ذات کے اندر بجتا، ہونے نہ ہونے کا نوحہ، سنتے ہوئے

نبضِ ہستی کی ساکن زمین پر، کشادہ لیٹ گیا

اپنی جمع بندی، کھول کر اس نے ابتک جو کچھ بھی

سمیٹا تھا، آنکھ کے مظاہر میں لے آیا

اس کی کیمیا گری، اس کے سامنے کھڑی

ہنس رہی تھی، اس کے فارمولے ہوا میں

تیرتے ہوئے، مر رہے تھے،

آخر کب تک وہ اپنے مرنے کا تماشا دیکھتا

جتا ضرور دینا چاہئے

میں اس گھر کا مکین تھا جس کی کوئی چھت نہ تھی،

اس کے رہائشیوں کے تن کپڑے سے عاری

اور پیٹ فاقے اور بیماری سے پُر تھے،

اسی گھر کو آگ نے پُر نور کر دیا

کرب میں لپٹی چیخ مجھے ایک والہانہ پن کے ساتھ

کھینچ کر تیرے دروازے پر لے گئی مگر وہاں بھی

تالا پڑا تھا،

مجھے لگا کہ سب کالج، سکول مزاروں میں بدلنے والے ہیں

جلدی، سارے نظارے، مٹی میں دفن ہونے والے ہیں،

بھوک کی بے تابی میں بے شمار بددُعائیں چھپی تھیں

میرے سینے پر مالک سے الجھنے کا ایک بھوت سوار تھا

ہمارے جسموں کی بھٹیاں، تعصب کی آگ میں پک چکی تھیں

یوں بھی تو موت روزانہ، ہزاروں کو نگل لیتی ہے،

ایک وقت کی روٹی کے گرد اڑتے بگولے ہیں،

جھرنوں والی بستی، کو ہنسانے کے لئے، موت کو بھی موقعہ دینا چاہئے

جانے سے پہلے، اُسے جتا ضرور دینا چاہئے

دستر خوان پر رکھی زندگی

رینگتے رینگتے میں صدیوں میں یہاں پہنچا ہوں،
مٹھی بھر مٹی کا بوجھ تھا، کس قدر بھاری رہا
تم کس بدن کی بات کرتے ہو، میرا تو کوئی بدن تھا ہی نہیں
تم کس سلطنت کی بات کرتے ہو، میرے پاس تو کوئی علاقہ نہیں تھا،
میں نے جب بھی سمندر کو، مٹی سے الگ کرنا چاہا،
ریت دوڑ کر میرے رستے میں حائل ہوگئی
ہاروں سے ٹوٹے پھول، زمانوں میں جا بجا بکھرے تھے،
ان کو حسین شاہکار بنانے کو، دھاگے درکار تھے
کچھ چھاؤں، کچھ دیر ضرور میری شریک حیات رہی
مگر اس نے بھی میری انگلی پکڑ کر چلانا شروع کر دیا،
مجھے لگتا ہے، یہ ساری طویل زندگی، تیری آنکھوں سے گرا
خواب تھا، جسے دیکھنے کو تم نے، مجھ میں سانس بھر دی تھی
پتہ نہیں کیوں، اس نے مجھے وہم وگمان میں لاکھوں برس
بھٹکائے رکھا، میرے اندر، میرے بھٹکے، کارواں کو دیکھتا رہا
ہر آدمی کی ہتھیلی پر علیحدہ لکیریں بنائے رکھیں،
اچھا تھا کہ وہ ایک ہی آدمی کی دراز لکیر بنا دیتا
اُس نے دراِ مکان کی دیواروں پر چراغ جلائے رکھے
فضاؤں میں جن کے جلنے کی بو پھیلتی رہی،
سارے سفر میں اس کی پرستش کی صورت، تلاش کرتے
ہماری عمر تمام ہوئی، ہمارے خواب ہمیشہ دستر خوان پر رکھے رہے

ندامتوں کے انبار

دیکھنے والے، دنگ رہ جاتے ہیں، ان کی آنکھیں پھیل جاتی ہیں،
بدبودار باتوں کا شور گردش کرتا ہے، مگر جلد ہی،
وہ مگن ہو جاتے ہیں، بھول جاتے ہیں کیا دیکھا تھا، کیا سنا تھا
اچانک پہاڑ سرکتے ہیں، زمین لرزتی ہے، سینکڑوں لوگ پلٹنے والی مٹی کے
نیچے آن کر یوں گم ہو جاتے ہیں، جیسے کبھی تھے ہی نہیں،
کچھ باتیں تو آناً فاناً ہو جاتی ہیں کہ توبہ کی مہلت نہیں ملتی
پچھتانے کا موقعہ نہیں ملتا۔ آخری نصیحت بھی یاد نہیں رہتی
گھور تاریکی کے ان جلتے بجھتے لمحوں میں، یاد کرنے کو
کوئی لمحہ بھی میسّر نہیں آتا، سارا شہر نابینا ہو جاتا ہے
کوئی بیدار ہو تو پتھروں کی بھیڑ میں اپنا راستہ بنائے
کون کہتا ہے کہ انہوں نے کبھی مالک کی جستجو نہیں کی
توقعات زیادہ نہیں رکھیں، دکھوں سے پناہ نہیں چاہی
ان میں سے کچھ کی پوٹلیوں میں جو دُکھ تھے،
راستے میں کسی نے لُوٹ لئے، اب ان کے پاس،
خالی پوٹلیاں آن بچی ہیں
زبانیں بانٹ دی گئی ہیں، بے نواؤں میں،
اب وہ کس کو سجدہ کریں گھرے ہوئے بلاؤں میں،
کیا کریں گے، اپنی ندامتوں کے انبار، جو
جا کر چھپ گئے ہیں، پارساؤں میں

سیاہ بال

پل بھر کو میری آنکھیں، اس کے گھنے سیاہ بالوں پر ٹھہر گئیں
وہ شانوں پر دور تک پھیلے تھے
میز پر پڑی میری انگلیوں میں تھوڑی حرکت ہوئی
جیسے میں ان پر اپنا ہاتھ پھیرنا چاہتا تھا

اس کی کہانی دلچسپ تھی،
اس نے بات بڑھاتے ہوئے کہا
اس کی بانہوں اور ٹانگوں پر سنہری نرم روئیں پھیلی تھیں
یوں لگتا تھا جیسے وہ ہرن کی کھال پر جمی تہہ ہو اجو
اُسے گرم رکھنے میں مدد کرتی ہے،
اس کے بدن پر زیادہ کپڑے نہیں تھے،
بس ایک چھوٹی سے سکرٹ اور ایک سفید سویٹر
اس کے گلے میں محض ایک رومال بندھا تھا
اس کے پاؤں میں رقص کے جوتے تھے،
وہ مجھ سے رقص سیکھنے آئی تھی، اچانک اس نے میرے دونوں ہاتھ
مضبوطی سے پکڑ لئے اور کہنے لگی، میں ٹسٹ دینے کے لئے تیار ہوں،

یہ بات کہہ کر اس نے اپنے بال لہرائے اور میرا ہاتھ پکڑ کر بولی
آؤ میں تمہیں بتاتی ہوں کہ وہ بچی کتنا عمدہ رقص کرتی تھی،
میں نے مضبوطی سے اس کی کمر پکڑ کر،
دوسرا ہاتھ اس کے سیاہ بالوں میں اتار دیا

دریا کی لہریں

مجھے یہاں سے نکالو، یہاں کوئی سنتا ہی نہیں

سارے مکین چھت اوڑھ کر سو گئے ہیں

ابھی تو میری کتابیں، میری میز پر بکھری پڑی ہیں،

کئی کہانیاں ادھوری ہیں کئی کتابیں نامکمل ہیں

ابھی تو میرے خون کے زخموں سے خوف رستا ہے

میری پٹاریوں میں، بہت موٹے سانپ لیٹے ہیں

اپنی راکھ بھی پانیوں میں نہیں ڈالی، جڑوں سے زہر نہیں نکالا

قید بھی اتنی لمبی نہیں ہوئی کہ رہائی دیدی جائے

میں تو تمہارے ساتھ ہی پیدا ہوا تھا پھر اے ہمزاد

تیرے میرے دکھ سکھ برابر کیوں نہیں،

لنگڑا کر چلنے والوں کا ہرگز قصور اپنا نہیں ہوتا

انہیں، برسے بادلوں کی طرح، آسمان سے جدا کیوں کر دیا جائے

تمہیں پتہ ہے کہ یہ سارا سفر کتنا پُر اذیت تھا، لیکن

میں نے تیرے ڈر سے کبھی ہجرت نہیں کی، اسے کبھی نہیں بانٹا

مجھے چاہئے تھا کہ میں اپنی خموشی کی وضاحت کر دیتا،

مجھے نکالو، کم از کم، دریا سے باہر نکل گئی

لہروں کو واپس دریا میں چھپا لینے دو

مرنے کی خبر

اخبار سے اٹھ کر، اس کی نظریں،
میز سے ہوتی ہوئی، سونے کی رسٹ واچ پر آن کر ٹھہر گئیں۔
وہ ایک انگڑائی لے کر اٹھا اور جا کر
آئینے کے سامنے ٹھہر گیا،
اپنے نقوش کی ستائش کے بعد
اس کے اندر کا اضطراب کچھ کم پڑ گیا
ایک موٹا سگار، سلگا کر، انتہائی اپنائیت سے
اس نے خود کو پوچھا، کیا میں سگار پی سکتا ہوں
ایک بے ساختہ بوسہ، اس کے ہونٹ پر آ کر
تیزی سے گذر گیا،
کھوجتی اور ڈھونڈتی آنکھوں سے اس نے
اُسے پہچاننے کی کوشش کی مگر ابھی تھوڑی
ٹوٹ پھوٹ کی اذیت کہیں چپکی تھی،
گلے کی تنی رگوں کے ساتھ، وہ تیسری بار،
سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا،
اذیت میں مبتلا چہرے اور زرد پھٹی آنکھوں والی
عورت نے، دروازہ اندر سے بند کر رکھا تھا
وہ پھر لڑنے کی خاطر افریقہ نکل گیا جہاں سے
اس کے مرنے کی خبر آئی تھی

تیسرا چلّہ

تین گز کا اچھا تیراک، جوتے اتار کر
اسلامی تاریخ اور دیگر علوم کا ذخیرہ،
بدن پر اوڑھے، پانی کی قبر میں بہ رضا و رغبت اتر گیا۔
جب قومی ورثہ ضائع ہو رہا تھا، ایک سفید ریش
دو مقابر کے درمیان، ایک بوسیدہ کمبل اوپر لئے
تسبیح گھماتے، نورانی چہرہ چھپائے،
اپنے شغل میں مصروف تھا
پانی میں تاریخ بدل گئی تھی، کچھ دیر
وہ اپنے انداز میں تیرتے تھک گیا تو
بدن کو چھوڑ کر، باہر نکل آیا،
پیر نے کمال ہوشیاری سے، مرید شہادت کے درجے پر پہنچا کر
خود غازی ہونے پر اکتفا کیا۔
رات گہری ہو گئی تو اس اجاڑ، سنسان، بیابان
قبرستان میں، سرسراتی ہوائیں، خاموشی کی صداؤں میں بدل گئیں
وہ چپ چاپ، اپنی سوچوں میں گم، آنے والے وقت کی منصوبہ بندی کرتے ہوئے
کمبل کو کندھے پر لاد کر چل پڑا،
تیسرا چلّہ کامیابی کے قدم چوم چکا تھا،
اب وہ جب بھی چاہے گا مرید کی روح کو طلب کر سکے گا

چھان پھٹک

یہ سرکاری لباس کی وردیاں،

لباسِ فاخرہ ہیں،

اس کی سرکشی اور خود پسندی نے

نصف صدی، اپنے کام کے انہماک میں گذاری ہے،

اس کی تاریخ، ہزاروں برس پیچھے تک، پھیلی ہوئی ہے،

اس نے بھانت بھانت کے حکمرانوں،

حکومتوں، مذاہب اور اقوام کے

مربوط تشخص میں خلل نہیں ڈالا

فاتحوں اور مہم موؤں نے، ہمیشہ

باجا بجانے والے، قلم کاروں،

مصوّروں، سائنس دانوں اور سیاحوں کو اپنا گرویدہ بنائے رکھا ہے

ازل سے لے کر آج تک، ان کے کارناموں کو

تاریخ نے ہمیشہ سنجیدگی سے لیا ہے

ایک بے ترتیب، منتشر الخیال ہجوم کو کبھی

کلیدی مرکزی حیثیت، حاصل نہیں رہی،

گھاس کی طرح اُگتی رائے کثیر کو

شہر کے حق میں بہتر، اور قابل مقبول بنانے کے لئے،

اس کی چھان پھٹک ضروری ہے

خارجی حالات

شل کردینے والی خاموشی، قد کو گھٹا دیتی ہے
بے معنی اور چھوٹا ہو کر، دل پاگل، چہرہ بے تاثر ہو جاتا ہے
آلتی پالتی مارے، بستر پر بیٹھنا، خلیج کی
چوڑائی کو صدمے میں بدل دیتا ہے
ڈولتے ہوئے چلنے والے کے چہرے پر نمیالی زردی چھائی ہے
خالی جیب میں مضطرب ہاتھ کچھ تلاش نہیں کر سکتے
سپاہیانہ وجاہت قدرے پاگل پن کی دوسری شکل ہے
باغ کے کھلے دروازے، اندھیری دیوار میں،
جادونگری کی مانند روشن ہیں،
میں گاؤں کے کسی آدمی سے ذکر کرنا نہیں چاہتا کہ
میں کون ہوں اور کبھی یہاں رہا کرتا تھا
کھڑکیوں پر نسوانی ہیولے اب بھی رقص کرتے ہیں،
وہ نہیں جانتے کہ میری بیوی پاس ہی سمندر کی لہروں میں گم ہے
نا مساعد حالات سے نڈھال اور مضمحل شخص کو
مایوسی اور نامرادی نے توڑ کر رکھ دیا تھا،
بیس سال پہلے کا انسان، کائنات کا اتنا ہی شیدائی تھا
مگر انفرادی موت، اجتماعی جبر کا نتیجہ تھی،
نجی وجودیت کے لئے کون سے چیز مرئی ہے
خارجی معاملات ہی شرمندگی بن کر، انسانوں کو
چاٹتے رہے ہیں

ان کہی نظمیں

طویل تاریک رات کے دانت گرنے کے بعد
پتہ چلا کہ منڈیروں پر گھاس اگ آئی تھی
یہاں سے وہاں تک پھیلا امتحان، کوئی
نیا موضوع ایجاد کرنے میں ناکام رہا تھا
کوئی نیا اعتبار لے کر نہیں آیا،
میرے راسے میں بستی کے گریبانوں کے ڈھیر لگے تھے
غیر سے تصویر کھنچوانے سے قبیلہ بٹ جاتا
تنہائی کواڑ کھول کر بھی نئے سانچے نہ دیکھ پائی
اڑتی تتلیاں پکڑنے والوں کو بھی ناکامی کا سامنا رہا
مکان میں جلتا دیا چھوڑنے والے، کچھ دلی کے تھے کچھ لکھنؤ کے
ٹھنڈی تیز ہوا میں ننگی شاخیں رقص کرتی رہیں،
تیرے قدموں کی چاپ پر میں چونک اٹھتا تھا
میرے بدن کی برف چٹخی تو اندر سے گرم پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا
ساری سفید سیاح لڑکیاں، 'چڑیاں داچنبہ' ہیں
تنہائی سے تلازمات کے دیئے روشن ہوتے ہیں،
تخلیقی عمل کے منتر شعور، لاشعور سے نکل کر
نفسی تنہائی، آگہی کے بچے جنتی ہے،
میں دل کی، لو پر ناچتی، ان کہی، نظمیں لکھتا ہوں

خاک سے خاک

وہ میری تخلیق پر نازاں ہے
مجھے اشرف المخلوقات کہتا ہے
اسکا دعویٰ ہے کہ میں اس کی سب سے بہتر تخلیق ہوں، مگر
میں ایک مشتِ خاک بن کر
منوں مٹی کے نیچے لیٹا سوچتا ہوں
جب مجھے خاک سے بنا کر خاک ہی میں سلانا تھا تو
کسی کے حق میں اس کا، حاصل حصول کیا ہے
تھوڑی دیر کو مجھے میری ماں سے ملا دے
جس نے مجھے تخلیق تو کیا، مٹی میں نہیں ملایا

اچھائی کی وراثت

میں ایک اچھا باپ ثابت نہیں ہوا
اے میری پیٹھ کے بیٹے، تم ایک اچھے باپ بننا
میری کوتاہیوں اور بداعمالیوں کی سزا،
اپنی اگلی نسل کو نہ دینا
برائی کا بدلہ برائی سے نہیں چکاتے
تم میری برائیوں کا کفارا ادا کر کے،
اگلی نسل کو بچا سکتے ہو،
بنی نوع انسان کی بھلائی میں
اپنا حصہ ملا سکتے ہو

زندہ، زندگی

زندگی کی برہنگی کو چھپانے والا
ٹاٹ کا پردہ، جگہ جگہ سے چھید کھا چکا تھا
اس کے سوراخ، دھواں، دھوپ اور بارش
اگل سکتے تھے
ایک بڑھیا، اندر بیٹھی، پرانے کپڑوں کی کترنوں کو جوڑ کر
ایک نیا لباس تیار کرنے میں مصروف تھی
بوڑھا کھانستے ہوئے کہہ رہا تھا کہ خدا نے
ہمیں ناپسندیدہ قرار دے کر، اپنی زمین سے
نکل جانے کا حکم دے دیا ہے،
میں اس بیٹے کا کیا کروں جو کبھی دھوپ پکڑ لاتا ہے
کبھی تہبند میں چاند چھپا لیتا ہے
سیاہ کینچوؤں جیسا اندھیرا بدن لئے، کمرے کے، کونے میں
سہمے ہوئے بچے کی طرح، چادر میں لپٹا پڑا تھا
ایک لڑکی تھی جس کی یادداشت پر دھندلاہٹ نے قبضہ کر رکھا تھا
اس کے گلے میں ذبح کی ہوئی بلیاں بولتی تھیں
وہ اپنے، ہاتھوں پر جمے اندھیرے کو گھورتی تھی
سانسوں کے چیتھڑوں میں یہ گھن زدہ لڑکی
سارا دن، اپنے آپ سے بے معنی، لایعنی باتیں کرتی
یہ کیسی زندگی ہے، جس کی ہر لمحے، گاڑی بدل جاتی ہے،

ویشیاؤں کا شرف

یہاں لوتھڑوں میں چھپے ادھورے آدمی
روڑیوں کے ڈھیروں پر بکثرت ملتے ہیں
ابھی ان کے جسم اور عقلیں
نشو ونما کی منزلوں سے، نوری سالوں کی دوری پر ہیں
شعور، چاند کی شکستگی کو دیکھنے سے عاجز ہے
فضا کے سینے میں دراڑ پیدا کرنے کے لئے
مدار کو مختصر کر کے، محض کونجیں اڑائی گئی ہیں،
قصہ خوانی کی رقاصائیں، پریوں کی قید میں
سنہری پات نچھاور کرتے، مجرا کر رہی ہیں
کنجریاں، جمالیات سے صرف نظر کرتے ہوئے
ان کے باطنی مفہوم ادا کر رہی ہیں،
علامتوں، تمثالوں پر خصوصی توجہ کی ضرورت ہے تاکہ
نفسی تلازمات، درنفس کی کلید ثابت ہوں
اعصابیت کی جنگ میں جنون اور وحشت مل کر
تخلیق کے پر اسرار منتر پڑھتے، صدیوں سے، ہمکلام ہیں
تشنہ صورت خون کے لجلجے
اپنے ہی مکانوں انیو کلیکس میں قید ہیں،
زمین پر اڑان کے لئے، ابھی انہیں کئی نسلوں کے حادثوں سے گزرنا ہوگا
تب کہیں جا کر
ہم جیسی ویشیاؤں کو شرف ملے گا

سفر کی پوریں

شام کی سرخی جلتے ہی،
کوئی میرے اندر،
فیصلے کا انتظار کرتا ہے
حیرت زدہ ہو کر، پرانے ماحول کو میں
نئے سرے سے، نئے زاویوں کو دیکھتا ہوں
نہ جانے اپنے اندر، کون سی
تہوں میں اترتا چلا جاتا ہوں،
مجھے لگتا ہے، خدا نے مجھے ناپسندیدہ شخصیت،
قرار دے کر، کائنات سے باہر نکل جانے کا
حکم دے دیا ہے،
ذلتیں ہر دم میرا پیچھا کرتی ہیں،
موقع ملتے ہی دبوچ لیتی ہیں، میرا مذاق اڑاتی ہیں،
میں نے اپنی پیاس کو جمع کرتے ہوئے،
ایک دریا جمع کر لیا ہے، اب بھی
اس کی باتوں کا دار خالی نہیں جاتا
وحشت دل کا بھلا ہو، میں
صحرا کو چھوڑ کر، اندھیروں کے سفر کی
پوروں میں اترنے والا ہوں

بھکاری

سورج، آج سامنے والی مسجد کے گنبد تلے
کروٹیں بدل رہا ہے،
شائد یہ کچھ بیمار سا ہے یا پھر اسے سردی
راس نہیں آئی،
کئی دنوں سے میں دیکھ رہا تھا کہ شہر کا شور
سکڑتا اور پھیلتا رہا ہے،
جیسے صور پھونکنے کا وقت ہو گیا، قیامت آ گئی ہے
جنس زدہ اندھیری سانسوں نے
روشنی بجھا کر کیڑے ڈال دیئے ہیں،
وہ دھوپ کو ایک لالٹین میں بند کر کے
اپنی ڈیوڑھی میں لٹکانا چاہتا ہے،
اس نے اسے مٹھیوں میں بھرنے کی کوشش کی تھی
مگر ہر شام، اندھیروں کے اترتے ہی
دھوپ کے ٹکڑے مردہ ہو کر اس کے
ہاتھ میں سنہری ہو کر، مر جاتے ہیں
بینگنی، جامنی، روشنی آخر سیاہی میں بدل جاتی ہے
لگتا ہے سورج بھی اسکی طرح مضبوط دائروں کا قیدی ہے،
چاند کو سامنے پاتے ہی اس کی سانس پھول جاتی ہے
دونوں مل کر بے وضو، تسبیح کرتے ہیں،
سورج ایک خارش زدہ، بھکاری ہے،

اندر کا ماتم

میں نے اپنے اندر کا ماتم،
اپنی مٹھی میں جکڑ لیا ہے / دنیا تو اب بھی
میرے باہر پڑی ہے، مجھے، یہ
کوئی سازش لگتی ہے
دشمنوں کا تیروں سے کیا کام / خون کو رونا ہے تو
میری آنکھوں میں بیٹھ کر روئے / ادھارے پر
گزرتی عمر کو کمند ڈال کر ہوا کے سپرد کرے
میری آوارگی رقص کے استعارے، چاہتوں کے
شیش محل، پر روح، کو، لتھڑی ہوئی کیچڑ سے
گارے میں بدل رہی ہے / خواب اندھا ہو چکا ہے
میں نے اپنے سینے میں، اتنے راز جمع کر لئے ہیں کہ
میرے اپنے لئے بھی کوئی جگہ نہیں بچی، پاؤں کی زنجیریں
اب سینے ہی میں بجتی ہیں، ٹوٹی کشتی، پتوار ٹوٹنے کے بعد
دریا کی موجوں کی زد پر ہے،
سنہری پات مجرا کر کے میری طرح تھک چکے ہیں،
اپنی ذات کی حد سے باہر نکل کر، بکھر گئے ہیں،
میں چاہتا ہوں، بس اب مجھے بھلایا جائے
شہر سے دور جا کر، دفنایا جائے

میں اور میں

اس بے نام شخص 'میں' کو میرے سامنے لاؤ
اتنی زندگی جی کر، یہ اب بھی بے نشاں ہے
میں اسے زمین میں چھپنے سے پہلے سے جانتا ہوں
اس کی آواز کو، اس کے گیتوں کو پہچانتا ہوں،
وہ میرا ہم نوا، میرا ہم زبان رہا ہے،
اس نے بچھڑنے سے پہلے میرے ساتھ،
ہزاروں سال کی زندگی بسر کی ہے
وہ بے ذات تھا، میں نے اسے ٹھیکرا بنایا،
پتہ نہیں کیا ہوا کہ اس کی کیمیا میں کس چیز کی
کمی، بیشی ہوگئی کہ اس کی خصلت میں
ایک پارہ ابھر آیا، اسکی صفت سیماب صفت ہوگئی
میرے مہ و انجم سے کھیلتے ہوئے وہ اپنی ذات میں
زمین کا پاسبان بن بیٹھا،
مجھے ڈر تھا کہ وہ فلک کا رازدان تھا،
کھلونے اسکے نرم ہاتھوں میں اکثر ٹوٹ جاتے تھے،
اس کو گمان ہوا کہ میں بدگمان ہوں
وہ اپنے خود ساختہ گلے شکوے، رنجشیں لے کر
ایک دن میری زمین میں جا کر چھپ گیا
لیکن وہ میرا نغمہ ہے جسے میں ہمیشہ گنگناتا ہوں،
وہ میرا زمانہ ہے، جو مجھے یاد ہے،
میں اسے گرداب سے نکال کر، پھر اپنے ساتھ بساؤں گا
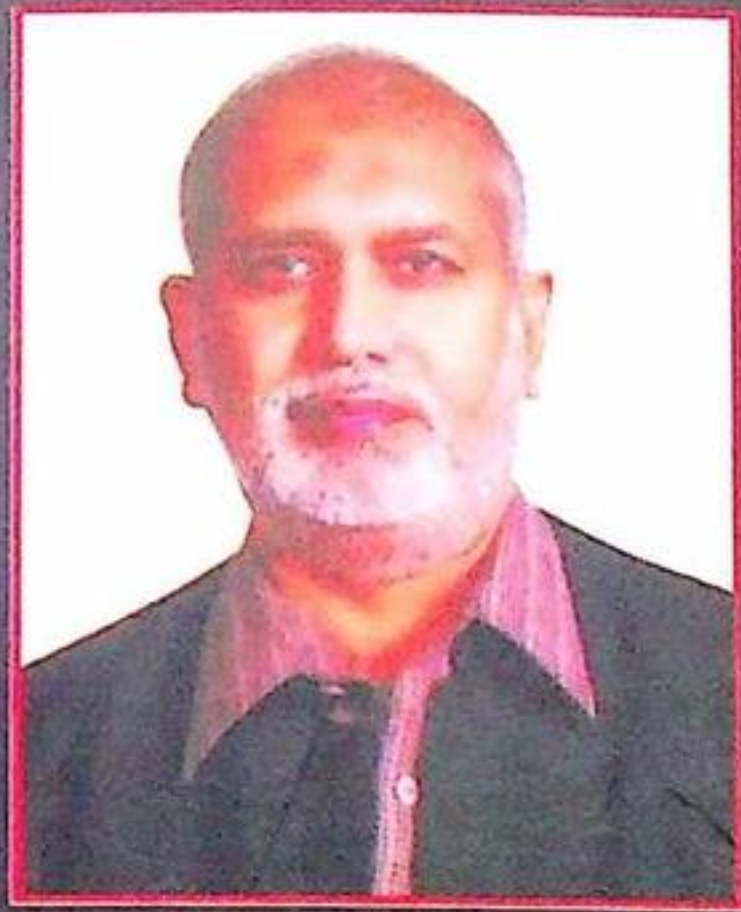
گذشتہ صدی کی ستر کی دہائی میں جب تیسری دنیا کی شاعری کے تراجم منظر عام پر آئے تو اُردو شاعری کے روایتی سانچوں کی دروبست کے بارے میں بھی سوالات پیدا ہوئے اور یوں اس زمانے میں کئی شعرا نے نثری نظم پیرایہ اظہار کی جانب توجہ کی۔

لیکن اکیسویں صدی کی پہلی دہائی کے خاتمے تک آتے ہوئے میکانکی زندگی کے ضابطوں سے متصادم ہو کر شاہد زبیر نے نثری نظم کے پیرایہ اظہار کو اپنایا اور نت نئے رنگوں، مشاہدات اور محسوسات کے تناظر میں ردعمل، بے بسی و شعور فکری اور بحیثیت مجموعی، سرشت انسانی کی پوسٹ ماڈرن صورتحال کو کشید کیا ہے۔ اس کی نظمیں عالمگیریت کے جہان میں سرمائے کے جبر سے متصادم ہو کر گمنامی میں مصلوب پوشیدہ مسرتوں، محکوم آرزوؤں سے مکالمہ کرتی ہیں جس کے باعث کم و بیش تمام نظموں میں سادگی کے ساتھ ایک ڈرامائی الہڑپن کی لہر ملتی ہے اور یوں شاہد زبیر خود کلامی، ڈرامائی مکالمہ اور اساطیری جہان سے اشاراتی نظام بھی تخلیق کرتے ہیں۔

ڈاکٹر صلاح الدین حیدر

Publications
DASTAK PUBLICATIONS
Gulgasht Colony, Goal Bagh, Multan
Cell: 0302 7766622
Email: dastakpublication@yahoo.com